جینے کا فلسفہ

...ے اختیار میں تھی اس زندگی کی کامیابی و
...پر عائد ہوتی ہے لیکن جوانی کی زندگی کا آغ...
...دنیا

...ومی کی م...

سیب کا درخت

وشوامتر عادلؔ

طوفانِ تمنّا

عہدِ طفلی ایک خواب تھا جسے ابھی جی بھر کر دیکھنے بھی نہ پائے تھے کہ آنکھ کھل گئی۔ اس زمانے کا تخیل اب تمہارے لئے ایک بھولی ہوئی کہانی بن گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بچپن کا زمانہ عہدِ شاہی سے کم نہیں ہوتا۔ دنیا کی کوئی فکر نہیں، بے فکری ہر وقت معصوم لبوں کو دھوتی رہتی ہے، کسی کا غم نہیں، دوسرے تمہارا غم کھانے کے لئے ہر وقت موجود تھے لیکن تم نے اب زندگی کے نئے دور میں قدم رکھا ہے۔ اس کی دل فریبیاں عہدِ طفلی کی بیفکریوں کو صفحۂ دل سے حرفِ غلط کی طرح بہت جلد مٹا دیں گی۔

بچپن اور جوانی کا فرق

بچپن اور جوانی میں ایک بہت بڑا اور نمایاں فرق یہ ہے کہ تمہاری بچپن کی زندگی دوسروں کے ہاتھوں میں تھی جیسا تمہارے بزرگوں نے چاہا ویسے تم بنے۔ اگر وہ ذی فہم دانش مند تھے تو آج تمہاری کامیابی اُن کی پاک روحوں پر عقیدت کے پھول قربان کر رہی ہے اور اگر خدانخواستہ تم ملک و قوم کے کار آمد شہری بننے کی صلاحیت حاصل نہ کر سکے تو تمہارے احباب تمہاری ناکامیوں پر اشکِ حسرت بہانے کے ساتھ ہی تمہارے بزرگوں کی ناعاقبت اندیشی کا بھی ماتم کریں گے۔

بہر حال بچپن کی زندگی دوسروں کے قبضۂ اختیار میں تھی۔ اس زندگی کی کامیابی و ناکامی کی ذمہ داری تنہا تم پر نہیں بلکہ دوسروں پر عائد ہوتی ہے لیکن جوانی کی زندگی کا انحصار ... ہوتا

تمامتر تمھاری ذات پر ہے۔ اس کو کامیاب یا ناکام بنانا تمھارے اور صرف تمھار
اختیار میں ہے۔

رہ نوردِ شباب کا غلط تخیّل

زندگی کا سفینہ جب بحرِ شباب کی مستانہ لہروں میں رقص کرتا ہے تو ماحول کی
اپنے تماشائی کو عیش و نشاط کی ایک بالکل نئی دنیا میں پہنچا دیتی ہیں۔ نسیمِ جانفزا کے جھ
اُسے پیامِ مسرت سُناتے ہیں اور گلزارِ حیات کی شادابی اُس کی نظروں کو دعوت
دیتی ہے۔ سرمستِ شباب سمجھتا ہے کہ اس کی راہ میں قدم قدم پر پھولوں کا فرش۔۔۔
اور فرش بھی اُن پھولوں کا جن کی ایک ایک پنکھڑی دنیائے انبساط ہے۔

ہاں میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ عہدِ شباب اتنا ہی دلفریب ہے، بلکہ کچھ اس
بھی زیادہ لیکن ہر شخص کے لئے نہیں۔ ہر وہ انسان جو وادیٔ شباب میں اٹھلاتا ہوا سر
خرام ہوتا ہے اُس کے نصیب میں اس دلفریب وادی کی تمامتر مسرتیں نہیں آتیں۔
مسرتیں حاصل ہوتی ہیں صرف اُن خوش نصیبوں کو جنھیں زندگی کی اس نئی وادی سے
گزرنے کا صحیح راستہ معلوم ہے۔

تصویرِ شباب کے دو رُخ

تمھاری شباب پرور نگاہوں کے سُرخ ڈورے بتا رہے ہیں کہ تمھارا سینہ اس نئی
زندگی کی خوش آئند توقعات سے لبریز ہے۔ لیکن میں تم کو صاف الفاظ میں بتا دینا
چاہتا ہوں کہ عہدِ شباب کی تصویر کے دو رُخ ہیں، ایک رُخ کا نام ہے "کامرانی" اور
دوسرے کا نام ہے "ناکامی"۔ اربابِ دانش کہتے ہیں کہ دنیا کی کامرانی بھی عارضی ہے
اور ناکامی بھی۔ لیکن میں تم کو یقین دلاتا ہوں کہ عہدِ شباب کی کامرانی بھی مستقل ہے اور

ناکامی بھی۔ اگر اس دور میں تمہاری زندگی حرفِ کامیابی سے ہمکنار ہو گئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہاری تمام آئندہ زندگی کامیابی کی آغوش میں بسر ہو گی۔ لیکن اگر خدانخواستہ تمہارے قدموں کی لغزش نے تم کو ناکامی کے قعر میں گرا دیا تو تم تمام عمر اس قعر سے باہر نہیں نکل سکتے۔

گُل چینیٔ شباب کا سلیقہ

عہدِ شباب صرف ایک خوشنما باغ ہی نہیں ہے جس کی رنگینیوں کا کرشمہ قدم قدم پہ دامنِ دل کھینچتا ہے بلکہ اس بہار آفریں باغ کے گوشہ میں ایک خوفناک خارستان بھی پوشیدہ ہے جو گم کردہ راہوں کے تلووں کو ہمیشہ کے لئے فگار کر دیتا ہے۔ باغ شباب کی گلگشت کے لئے یہ لازم ہے کہ سرمستِ شباب پھونک پھونک کر قدم رکھے اور اس کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہو۔ تمہارا یہ خیال کہ تم اس باغ کی رنگینیوں سے بہرحال لطف اندوز ہو گے غلط ہے۔ اگر تم اس کے دامن سے عیش و نشاط کی کلیاں چننا چاہتے ہو تو پہلے ان کلیوں کو چننے کی صلاحیت پیدا کر لو۔

عہدِ شباب کی کیف آفریں خلش

تمہاری کتاب زندگی کے ابواب پر ایک نئی مرقع کاری شروع ہو گئی ہے۔ تمہارے سینہ میں نت نئی تمناؤں کا ہجوم ہے اور تمہارے حوصلوں کی رفعت آسمان کے تارے توڑ لانا چاہتی ہے۔ تم اب اپنے دل میں ایک نئی خلش محسوس کرتے ہو۔ وہ ہے تو خلش مگر عجیب کیف آفریں۔ اس خلش میں کچھ تپش بھی ہے اور کچھ سوز و گداز بھی، مگر یہ تپش کچھ ایسی روح پرور ہے کہ ایک سرمستِ شباب عالمِ کیف میں پکار اٹھتا ہے ؎

اس تپش کا ہے مزا دل ہی کو حاصل ہوتا
کاش میں عشق میں سر تا بقدم دل ہوتا

راتوں کی تنہائی میں یہ خلش بڑھ جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ تم اس خلش سے بیتاب ہو کر بستر پر کروٹیں بھی بدلتے ہو لیکن اس کے باوجود تم کو اس خلش اور تپش میں وہ لذت ملتی ہے کہ تم اس سے محروم ہونا گوارا نہیں کر سکتے۔

تمناؤں کے خاموش اشارے اور "ہمزباں" کی جستجو

تم چاہتے ہو کہ اس خلش کا پتہ لگاؤ مگر ناکام رہتے ہو۔ تمھیں نہیں معلوم ہوتا کہ یہ خلش کہاں سے آئی ہے اور کس نے پیدا کی ہے۔ تمھارے اس دل میں جواب تک طفلانہ بے خبری کے گہوارے میں جھول رہا تھا خود بخود ایک نئی آگ بھڑک اٹھی اور تم کو کسی کی تلاش ہے کس کی تلاش ہے؟ ایک ایسے ہمراز کی جو تمھارے دل کے رموز کو تمھاری آرزوؤں کے خاموش اشاروں کو سمجھ سکے۔ تم کچھ کہنا چاہتے ہو، مگر دل کی زبان سے، اور تمھاری خواہش ہے کہ کوئی ہمراز اس بے زبان کی زبان کو سمجھ سکے۔ یہی تمھارے دل میں ایک نئی خلش ہے اور اسی خلش کی تپش سے تم ایک نئی لذت محسوس کرتے ہو۔

جب تمھاری آنکھیں کسی ایسے ہمزبان کی جستجو میں ناکام رہتی ہیں تو تمھاری زبان سے بے ساختہ نکل جاتا ہے کہ ؎

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

تغیّر جنسی کے دلفریب کرشمے

نظامِ آفرینش یہی ہے کہ ایک مخلوق جنس مخالف کے اتّصال سے جسمانی و روحانی لذت حاصل کرے، نر کو مادہ کی تلاش ہوتی ہے، اور مادہ نر کے اتّصال سے اپنی مسرّتوں میں اضافہ کرتی ہے، دوستی کا بلند تر درجہ محبّت ہے، اور محبّت ہمیشہ متضاد جنسوں میں باہم تکمیل

کو پہنچتی ہے۔

تمھارا کوئی مرد دوست ہے، تمھیں اُس کے ساتھ دلی محبت بھی ہے، لیکن منزلِ شباب میں قدم رکھنے کے بعد تمھارے دل میں جو ایک نئی خلش محسوس ہو رہی ہے۔ اُسے تمھارے دوست کی دوستی رفع نہیں کر سکتی۔ اس میں کچھ تمھاری خطا نہیں، بلکہ قانونِ قدرت ہی اس طرح ہے۔ ایک نوجوان عورت کے سینہ میں جو محبت کی نئی خوشی پیدا ہوتی ہے اُسے کسی مرد کا پُر محبت ہاتھ ہی رفع کر سکتا ہے اور مرد کے دل کی خلش ایک عورت اپنے ہاتھوں ہی سے مٹا سکتی ہے۔

تمنّاؤں کے پوشیدہ اشارے

تمھارے دل کی زبان کو صرف ایک عورت سمجھ سکتی ہے۔ تمھاری تمنّاؤں کے پوشیدہ اشاروں کا علم صرف ایک عورت ہی کو ہو سکتا ہے۔ اب میں تم سے صاف لفظوں میں کہنا چاہتا ہوں کہ تمھارے دل میں جو خلش پیدا ہوتی ہے وہ جنسِ لطیف کی تمنّا ہے۔ تمھاری نگاہیں بار بار اُس کے جلوؤں پر قربان ہونا چاہتی ہیں۔ تمھارا دل پروانہ بن کر اُس کی شمعِ حُسن کا طواف کرنا چاہتا ہے، اِسی کا پُر کیف تخیل راتوں کو تمھاری آنکھوں سے نیند اُڑا دیتا ہے اور اسی کی عشوہ طرازیوں کا تصوّر تمھارے دل کی حرکت کو تیز کر دیتا ہے۔

رفیق زندگی کی جُستجو

تمھارے لبریزِ شباب دل کو ایک شریکِ زندگی کی جُستجو بالکل قانونِ قدرت کے مطابق ہے اور اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ بُرائی تو یہ ہے کہ تمھارا نوخیز دل ان قدرتی جذبات سے محروم ہو۔

تم اپنی خواہشات میں صادق ہو اور قدرت کے ایک کُھلے ہوئے قانون کی پابندی

کرتے ہو، لیکن یہ منزل یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔

قانونِ قدرت کا تقاضہ یہ ضرور ہے کہ تم رفیقۂ حیات کی تمنّا کے جواہرات سے اپنے دامنِ دل کو دامنِ دولت بناؤ لیکن اس کے ساتھ ہی قدرت کے زبردست قانون کا اشارہ یہ بھی ہے کہ تم کو جس کی جستجو ہے اُس کی حقیقت، اُس کے جذبات، اور اُس کے تاثرات سے صحیح معنوں میں واقف بھی ہو جاؤ۔

پوشیدہ جذبات کا علم

خُدا نے تم کو مرد بنایا ہے اور وہ تمام جذبات تم کو ودیعت کیئے ہیں جو جنسِ قوی کے لیئے مخصوص ہیں۔ تم کو اپنے جذبات کا علم ہے۔ تم اپنی اُمنگوں کو پہچانتے ہو۔ تمہارے دل کی پوشیدہ تمنّائیں تم سے مخفی نہیں۔ لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم کو جس کی جستجو ہے تمھارا سینہ جس کی خلشِ تمنّا سے محشرستان بن رہا ہے، کیا تم اس کی فطرت سے بھی واقف ہو، کیا تم کو اُس کے پوشیدہ جذبات کا بھی علم ہے؟ ممکن ہے کہ تمھارا دائرۂ علم محدود ہو، اور تم بلا تامّل کہدو کہ جو میرے دل کی تمنّائیں ہیں وہی اس پیکرِ ناز کی بھی تمنّائیں ہوں گی اور جو خلش میں محسوس کر رہا ہوں وہی خلش اس کے اندر بھی موجود ہوگی۔

لیکن نہیں تم سخت غلطی پر ہو۔ تمھارے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم نے نفسیاتِ انسانی کا مُطالعہ ہی نہیں کیا۔ سُنو! سُنو!! میں آج تم کو فطرتِ انسانی کے ایک بہت بڑے راز سے آگاہ کرتا ہوں۔

اختلافِ جنسی اور اختلافِ فطرت

جس طرح تمھارے اور عورت کے اعضائے جسمانی میں فرق ہے اسی طرح تمھارے اور اُس کے جذبات میں بھی فرق ہے۔ "عورت" عورت ہے۔ مرد نہیں ہے۔ اُس کے

جذبات نسوانی جذبات ہیں، مردانہ نہیں، تمہارے اور اُس کے تاثرات و محسوسات میں اُسی قدر فرق ہے جس قدر تمہاری اور اس کی شکل و صورت میں۔

اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اپنے جذبات کو سمجھ کر تم نے اپنی رفیقۂ حیات کے جذبات کو بھی پہچان لیا تو سخت غلطی پر ہو اور ازدواجی زندگی میں تم اس کا خمیازہ بھگتو گے۔

پیمانِ محبت کی تجدید

زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں، زندگی میں آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ تمہارے تعلقات اپنے اس دوست کے ساتھ دیرپا اور خوشگوار ہوتے ہیں جس سے تمہارا "دل ملتا ہو" یعنی دوسرے الفاظ میں جو تمہاری مزاج شناسی کر سکے اور جس کے مزاج کو تم پہچان سکو۔ اگر تمھیں کسی شخص سے سوءِ فہمی پیدا ہو جائے تو اس کے ساتھ تمہارے دوستانہ تعلقات قائم نہیں رہ سکتے۔ جب عام دوستوں کے ساتھ یہ صورتِ حال ہے تو تم اندازہ کر سکتے ہو کہ جو عورت تمہاری شریکِ زندگی بننے والی ہے جس کا تمہارا چولی دامن کا ساتھ تمام عمر رہے گا۔ تمھیں جس کی معیت میں عمر گزارنی ہے اور جس کو تمہارے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے اُس کے معاملہ میں مزاج شناسی کی کس قدر ضرورت ہو گی۔

جنت کی چند روزہ سیر

مرد دوستوں کی بات تو دوسری تھی چونکہ تمہارے اور ان کے جذبات میں زیادہ فرق نہ تھا اس لئے تم اُن کی مزاج شناسی بآسانی کر سکتے تھے۔ حالانکہ تمھیں پھر بھی بعض اوقات ناکامی ہوتی تھی۔ لیکن تمہارے اور عورت کے جذبات میں زمین و آسمان کا فرق ہے! اپنی ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے تمہارا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ عورت کے جذبات سے واقفیت حاصل کرو اور اس کی پیچیدہ فطرت کا عمیق مطالعہ کرو۔

مثل مشہور ہے کہ ہر نئی چیز میں لذّت محسوس ہوتی ہے۔ اس قول کے مُطابق اس میں کوئی شک نہیں کہ شادی کے بعد نئی رفیقۂ حیات کی معیّت تم کو نہایت خوشگوار معلوم ہوگی اور شادی کے ابتدائی دنوں میں تم کو جنّت کا لُطف آجائے گا لیکن جب جذبات کے تموّج میں سکون پیدا ہوجائے گا اور ازدواجی زندگی عام روز مرّہ کی زندگی بن جائے گی اُس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ تم نے عورت کی فطرت کو نہ پہچاننے میں کس قدر سخت غلطی کا ارتکاب کیا تھا۔ وہی گھر جو تمھارے لئے جنّت کا نمونہ بن رہا تھا دوزخ تمثال ہوجائے گا جس رفیقۂ حیات کے نازک لبوں پر تم کو روحانی مسرّتوں کی لرزش محسوس ہوتی تھی وہ تمھارے لئے وجہِ افکار بن جائے گی۔ تم حیران ہوگے کہ جس محبت نے تم کو تھوڑے عرصہ تک کیف و سرور کی دُنیا میں رکھا تھا وہ کہاں پوشیدہ ہوگئی۔

ازدواجی کشیدگی کا سب سے بڑا راز

ہندوستانی گھروں میں عام طور پر زن و شوہر کے درمیان کشیدگی رہتی ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ملک میں تعلیم کم ہے۔ عورت اور مرد شرعی زنجیروں میں پابجولاں ہوکر زن و شوہر تو بن جاتے ہیں لیکن انھیں نہ اپنی باہمی ذمّہ داریاں معلوم ہوتی ہیں اور نہ اپنے فرائض کا احساس ہوتا ہے۔

عورت نہیں جانتی کہ اُس کا شوہر اُس سے کس چیز کا متمنّی ہے اور مرد اپنی بیوی کی فطرت سے بالکل ناآشنا ہوتا ہے۔ عورت اپنے جذبات سے مرد کے جذبات کا اندازہ کرتی ہے اور مرد اپنے جذبات کے معیار پر عورت کے جذبات کو پرکھتا ہے۔ ازدواجی سوءِ فہمی کا سب سے بڑا راز یہی ہے۔

ازدواجی زندگی کے اساسی اختلافات

صنفی مسائل اس قدر آسان نہیں جس قدر کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ بہت نازک

اور پیچیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شادی کے بعد زن وشوہر کو اساسی اختلافات کی بنا پر تکلیف ہونے لگتی ہے اور جب اپنی کشیدگیوں کا احساس ہوتا ہے تو وہ بعض اوقات اُس کے اسباب وعلل کو سمجھنے کی کوشش بھی کرتے ہیں لیکن اس وقت تیر کمان سے نکل چکا ہوتا ہے اُن کی سمجھ میں کوئی توجیہ نہیں آتی اور نہ اس بات کی اُمید ہی باقی رہتی ہے کہ وہ اپنی مشکلات پر دوبارہ قابو حاصل کر سکیں گے۔

صنفی مسائل سے لاعلمی

اگر بالفرض زن وشوہر کے مزاج میں زیادہ اختلاف نہ ہو یا شوہر اپنی دانشمندی سے یا عورت اپنی سلیقہ شعاری سے زندگی کو حتّی الامکان خوشگوار بنائے بھی جائے تو صنفی مسائل سے لاعلمی کا نتیجہ دوسری صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے یعنی زن وشوہر کی صحت بہت جلد جواب دینے لگتی ہے۔ خرابی صحت کے اثرات عورت عام طور پر زیادہ قبول کرتی ہے۔ حسن وشباب کا لہلہاتا گلشن تاراجِ خزاں ہو جاتا ہے۔ بادۂ محبّت میں وہ رنگینیاں باقی نہیں رہتیں، ناز وادا کی بہار آفریں شاخ مرجھا جاتی ہے عورت قبل از وقت بوڑھی ہو جاتی ہے، اولاد کمزور پیدا ہوتی ہے اور والدین کو مستقل پریشانیوں کا پیغام سناتی ہے۔

فطرت شناسی کا مضراب

ان تمام خرابیوں کا واحد علاج یہ ہے کہ صنفی مسائل کی تعلیم ہندوستان میں عام کی جائے۔ صنفی مسائل سے میری مراد مخربِ اخلاق بازاری لٹریچر یا کوک شاستر نہیں ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ علم نفسیات کے تحت زن وشوہر سائنس کی روشنی میں ایک دوسرے کی فطرت کا عمیق مطالعہ کریں۔ فطرت شناسی ہی وہ مضراب ہے جس کی مدد

سے ازدواجی زندگی کے سازِ عیش و نشاط کا نغمہ سنا جا سکتا ہے۔

صنفیات کے پوشیدہ رموز و نکات

یہ کتاب اسی غرض سے لکھی جا رہی ہے کہ "تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" کو اپنی نئی زندگی کی گتھیاں سلجھانے میں مدد مل سکے وہ صنفیات کے پوشیدہ رموز و نکات کو باآسانی سمجھ لیں۔ اُن کو معلوم ہو جائے کہ ازدواجی زندگی کے شجر میں کامرانیوں کے ثمر اس طرح آتے ہیں اور عیش و نشاط کا گلشن اس طرح تاراجِ خزاں ہو جاتا ہے۔

انسان عام طور پر افسانہ پسند ہے۔ اور کیوں نہ ہو انسانی زندگی خود بھی ایک افسانہ ہے لہٰذا اس کتاب کو بطرزِ افسانہ ہی لکھا جا رہا ہے۔ پیشِ نظر مقصد یہ ہے کہ ایک نوجوان شوہر کو اپنی نئی رفیقۂ حیات کے جذبات و تاثرات کا پورا علم ہو جائے۔ اس لئے سب سے زیادہ دل پسند صورت یہی ہو سکتی ہے کہ خود پیکرانِ حسن کی زبانوں سے اُن کے پوشیدہ جذبات خریدارانِ شباب کے گوش گزار کر دیئے جائیں۔ چونکہ یہ کتاب "سائیکالوجی" کے اصول و موضوعات کے ماتحت لکھی جا رہی ہے اس لئے ایک نوجوان شوہر کو اس میں تمام ایسی باتیں بھی ملیں گی جو فطرت نسوانی کو ناگوار ہوتی ہیں اور تمام وہ باتیں بھی ملیں گی جن کی ایک الّڑھ نازنین اپنے خریدارِ گرمجوش سے توقع رکھتی ہے۔

عورت کی بے نقاب فطرت

مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ایک سرمستِ شباب کے سامنے عورت کی فطرت بالکل بے نقاب ہو جائے گی۔ وہ سمجھ جائے گا کہ کن باتوں سے ازدواجی زندگی کامیاب ہوتی ہے اور کون سی باتیں ازدواجی مسرتوں کے ساغر میں

زہر ہلاہل ثابت ہوتی ہیں۔

افسانہ کی رنگینیوں میں نفسیات کے حقیقی راز پوشیدہ ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب اصل میں مردوں کے واسطے لکھی جا رہی ہے لیکن مختلف افسانوں کے دوران میں خانہ داری اور مردانہ فطرت کے متعلق اُن بیش بہا اصول کے اندراج کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے جن کی واقفیت عورتوں کے لئے ناگزیر ہے۔ اس طرح مجھے اُمید ہے کہ یہ کتاب جس قدر مردوں کے لئے مفید ہے اُسی قدر عورتوں کے لئے بھی اس کا مطالعہ خالی از منفعت نہ ہوگا۔

میں دُعا کرتا ہوں کہ یہ کتاب رہ نوردانِ شباب کے لئے زائد سے زائد مفید ثابت ہو۔ وہ اسے غور سے پڑھیں اور اس کی ہدایات پر کاربند ہوکر اپنی اپنی ازدواجی مسرتوں میں چار چاند لگا سکیں۔ یہی میری تالیف کا مقصد ہے اور اسی مقصد کی تکمیل میرے لئے وجہِ مسرت ثابت ہوگی۔

کتابِ زندگی کا نیا ورق

نجمہ نے دولت کی آغوش میں آنکھ کھولی۔ نازو نعم کے گہوارے میں پرورش پائی۔ نواب سکندر جاہ کی آنکھوں کا نور، دل کا سرور تھی۔ نواب صاحب کو خدا نے بہت کچھ دیا تھا۔ لیکن ان کے کاشانۂ مراد میں روشنی صرف نجمہ کے دم سے تھی۔ کون ایسا فقیر تھا جس کے دروازے پر شوکت آرا بیگم اولاد کی بھیک مانگنے نہیں گئیں۔ کون ایسا مزار تھا جس کی چادر نواب سکندر جاہ کے آنسوؤں سے تر نہیں ہوئی۔ خدا خدا کر کے برسوں کی تمناؤں اور ہزاروں منتوں مرادوں کے بعد نجمہ پیدا ہوئی۔

نواب سکندر جاہ اور شوکت آرا بیگم نے بڑے نازو نعم سے اپنے نخلِ اُمید کے روح پرور ثمر نجمہ کو پرورش کیا تھا۔ ماں اس کے اشارۂ چشم کو ہر وقت دیکھتی رہتی تھی۔ باپ اس کی صورت کا عاشق تھا۔ معصوم نجمہ کی تیوری کے خفیف بل پر والدین دنیا کی بڑی سے بڑی مسرت قربان کر دیتے تھے۔ کون ایسا عیش تھا جو نجمہ کو حاصل نہ تھا۔ کون ایسی راحت تھی جو نجمہ کے قدموں پر قربان نہ ہوتی تھی۔ اس انداز پر جن بچوں کی پرورش ہو وہ جس قدر بھی خودسر نہ ہوں کم ہے۔ لیکن خلافِ توقع نجمہ نہایت شریف اور نیک بچی تھی، ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، ابتدا ہی سے اس کو غرور چھو نہ گیا تھا۔ نہ ملازموں اور خادماؤں پر عتاب بیجا تھے اور نہ والدین سے نارواضد۔

بوڑھی مغلانی بوا رحیمن سے نجمہ کو بہت محبت تھی اور ایمان کی تو یہ ہے کہ بوڑھی رحیمن نے بھی نجمہ کے لئے دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا۔ ابھی تھوڑے ہی دنوں کی بات ہے کہ نجمہ جب انفلوئنزا میں مبتلا ہوئی تو یوں تو سارے گھر میں تہلکہ مچ گیا لیکن

رحیمن کی پریشانی نواب سکندر جاہ اور شوکت آرا بیگم کی پریشانیوں کا مقابلہ کرتی تھی۔ تین دن تین رات بیمار نجمہ کی پٹی کے پاس سے نہ ہلی۔ آنکھوں میں آنسو، ہاتھوں میں تسبیح، لب پر درود شریف اور اپنی نجمہ پر دم کر رہی ہے۔ خدا کی بندی کے منہ میں کھیل کا دانہ بھی اُڑ کر نہیں گیا۔ جب نجمہ اپنے بسترِ علالت سے اُٹھی تو "قطب تمثال" بُوا رحیمن بھی اپنی جگہ سے اُٹھیں۔

پھر نجمہ بھی بُوا رحیمن سے کیوں نہ محبت کرتی۔ یوں تو نجمہ کے لئے کئی اُستانیاں رکھی گیئں لیکن حق بات تو یہ ہے کہ اس کو قرآن شریف اصل میں بُوا رحیمن ہی نے ختم کرایا۔ نماز بُوا رحیمن نے ہی سکھائی۔ اور مسئلے مسائل سے بھی بُوا رحیمن ہی نے آگاہ کیا۔

نواب سکندر جاہ اگر نئی روشنی کے مغرب پرست نہ تھے تو اودھ کے عام رئیسوں کی طرح تعلیم نسواں کے مخالف بھی نہ تھے۔ نجمہ کو بھی لکھنے پڑھنے کا شوق بہت تھا۔ نواب صاحب نے اُس کو جسٹس کرامت حسین مرحوم کے قائم کردہ گرلس اسکول میں مڈل تک باقاعدہ تعلیم دلائی۔ نجمہ کے ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے اُن کی خواہش تو یہ تھی کہ وہ اسے مزید تعلیم دلائیں لیکن نجمہ اب نام خدا سیانی ہو رہی تھی۔ خاندانی اثرات کا غلبہ شروع ہوا اور نواب سکندر جاہ نے مڈل پاس کرنے کے بعد نجمہ کو مدرسہ سے اُٹھا لیا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ ایک شریف بنگالی خاتون جو کلکتہ یونیورسٹی کی گریجویٹ تھیں نجمہ کو گھر میں تعلیم دینے کے لئے برابر آتی رہتی تھیں اور یہ خیال تھا کہ نجمہ دو سال کے بعد انٹرنس کا پرائیویٹ امتحان دے۔

نجمہ اب بچّہ نہ رہی تھی۔ خیر سے سولھویں برس میں تھی اور جو والدین نجمہ کی صورت کے دیوانے تھے۔ اب وہی یہ دعائیں کرنے لگے تھے کہ "خدا کرے نجمہ اب پرائے گھر کی ہو جائے"۔ اودھ کے ایک متموّل اور مشہور خاندان کی نیک سیرت تعلیم یافتہ لڑکی۔ اس کے لئے بَروں کی کیا کمی تھی۔ شادی کا ایما ظاہر ہوتے ہی کوئی دن ایسا نہ

گزرتا تھا کہ دو چار جگہ سے پیامات نہ آتے ہوں۔ روزانہ نئی نئی مشّاطائیں آتیں اور اپنے اپنے "موکّلوں" کی شان میں نو تصنیف قصیدے سنا جاتی تھیں لیکن بُوا رحیمن سے کون بازی لے جا سکتا تھا۔ اودھ کے ایک ایک مشہور مسلم خاندان سے تو یہ واقف تھیں بھلا ان سے کون پیٹ چھپا سکتا تھا۔ ایسی بال کی کھال نکالتیں کہ مشّاطاؤں کے چھکّے چھوٹ جاتے۔ کسی رقعہ کو سُن کر کہتیں: "نواب مرزا شعبان علی خاں کا لڑکا ہے! کون نواب مرزا شعبان علی خاں!! ارے وہی تو نہیں مولوی گنج کے مرزا شبّن۔ شبّن! اُن کی خالہ کی نند کی نواسی، حیدر جونے والی کے ماموں کے سالے کو بیاہی تھی!!

کیوں بیگم سمجھیں نا ـــ وہی حیدر جونے والی طوائف جس کی بہن واجد علی شاہ کے حرم میں داخل تھی ـــ اے نوج دور پار ـــ کیا میری نجمہ رنڈی بھڑووں میں جائے گی ـــ ارے نکلواؤ اس مشّاطہ کو، خبردار جو کبھی ڈیوڑھی کے اندر قدم رکھا ـــ حضرت امام حسینؑ کے خون کی قسم ناک چوٹی کاٹ لوں گی"

کسی رقعہ کا مضمون سُن کر اپنا سفید سر، دیر تک کھجاتیں اور پھر کہتیں: "اے ہے میری عقل پہ پٹیکی پڑے۔ نگوڑا نام پیٹ میں ہے زبان پر نہیں آتا ـــ خدا بخشے بڑے نواب کی گروٹ کروٹ پھُول ہوں اُن کے دربار میں بہت حاضر ہوتے تھے ـــ ہاں خوب یاد آیا احتشام الدین حیدر ـــ اُن کی دادی کی نانی نواب آغا میر کے یہاں محلدار تھیں۔ مونڈھی کاٹے نواب بن بیٹھے۔ اور سُنو ـــ یہ لڑکا جس کا رقعہ آیا ہے احتشام الدین کا پوتا ہے ـــ ارے نخلئو کے ایک ایک گھر کی دائی تو میں بیٹھی ہوں۔ بھلا مجھ سے کون پیٹ چھپا سکتا ہے ـــ ہے ہے خدائی غضب۔ آسمان کیوں نہیں پھٹ پڑتا۔ ہیریاں اور مردھے "نواب سلیمان جاہ کے خاندان میں رشتہ قائم کرنے کے خواب دیکھیں"

نواب سکندر جاہ اور شوکت آرا بیگم کو بُوا رحیمن کی خیر خواہی اور ہمہ گیر واقفیت پر کامل وثوق تھا۔ جو مشّاطہ بھی آتی پہلے بُوا رحیمن کے پاس بھیجی جاتی اور وہ اس کو لڑکے

کے خاندان کا پورا شجرہ سُنا کر اُلٹے پیروں واپس کرا دیتیں۔

اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ کوئی پیام بوا رحیمن کے حسبِ دلخواہ نہ آتا تھا۔ شوکت آرا بیگم اگر کبھی ہنس کر بوڑھی مغلانی سے کہتیں کہ "بوا آخر کہیں تم اپنی نجمہ کا بیاہ بھی کرو گی؟" تو بڑی بی چیخ کر جواب دیتیں "اے ہے بیگم! تم کو ایسی بھی لڑکی کیا دوبھر ہے۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ خیر سے پندرھواں برس لگا ہے۔ خدا چاہے تو اچھی بات بھی آئے گی۔ جلدی کا ہے کی ہے؟"

اس دوران میں نواب سکندر جاہ کے ایک عزیز دوست نواب حشمت یار جنگ حیدر آباد سے آئے۔ نواب حشمت یار جنگ حسب و نسب کے لحاظ سے اودھ کے شیخ زادوں میں تھے اور یہیں ان کی موروثی جائداد بھی تھی لیکن عرصۂ دراز سے ترکِ وطن کر کے حیدر آباد چلے گئے تھے۔ اور وہیں شاہی خدمات حاصل کی تھیں۔

نواب حشمت یار جنگ کو اب اودھ کے ساتھ اس قدر تعلّق باقی رہ گیا تھا کہ یہاں جو اُن کی قدیم خاندانی جاگیر تھی اُس کی دیکھ بھال اور کاکوری کی پُرانی موروثی محلسرا کی زیارت کے لئے دوسرے تیسرے برس اودھ کا چکّر لگا جاتے تھے۔ نواب حشمت یار جنگ ریاست حیدر آباد میں اس وقت درجۂ اوّل کے تعلّقہ دار تھے۔ ان کے بیٹے سعید الرحمٰن نے اس سال نظام کالج سے بی۔اے کا امتحان پاس کر لیا تھا اور اب وہ اسے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لکھنؤ بھیجنا چاہتے تھے۔

نواب حشمت یار جنگ کی والدہ کاکوری کے خاندانِ شیوخ سے تعلّق رکھتی تھیں اور خود نواب صاحب کی شادی بھی اپنے ہی کفو میں ہوئی تھی۔ سرزمینِ اودھ کے ساتھ اپنے قدیم تعلقات کی تجدید کے لئے وہ چاہتے تھے کہ سعید الرحمٰن کی شادی بھی اودھ ہی کے کسی خاندان میں ہو۔

نواب حشمت یار جنگ کو جب نجمہ کا علم ہوا تو اُنھوں نے خود براہِ راست نواب سکندر جاہ

سے اپنے بیٹے کا تذکرہ کیا۔ اور کہا "نواب صاحب! یہ آپ کو علم ہے کہ میرا خاکِ اودھ کے ساتھ قدیم تعلق ہے۔ خود میری شادی بھی کاکوری ہی میں ہوئی۔ میری زمینداری وغیرہ بھی اودھ ہی میں ہے۔ وطنِ قدیم کے ساتھ اپنے تعلقات کو مزید استحکام دینے کے لئے میری تمنا یہ ہے کہ سعید کو آپ کی غلامی میں دید دوں"

نواب سکندر جاہ :۔ آپ یہ کیا فرماتے ہیں۔ سعید میرا بچہ ہے۔ کیا میں اس سے واقف نہیں۔ لیکن شادی بیاہ کا معاملہ ایسا ہے کہ عورتوں کے سامنے مردوں کی کچھ چلتی نہیں۔ آج میں بیگم کا ایما لوں گا۔ آخر وہ بھی تو آپ سے خوب واقف ہیں اور پھر سب سے بڑی مشکل تو بُوا رحیمن کی رضامندی حاصل کرنا ہے۔ جب تک اُن کا دل نہ بھرے گا اُس وقت تک بیگم کبھی حامی نہ بھریں گی۔

نواب حشمت یار جنگ :۔ میں حیدر آباد سے ایک ماہ کی رخصت لے کر آیا ہوں، ابھی میرا قیام رہے گا، اچھا ہے محلسرا میں استصواب رائے فرما لیجئے۔ مگر اتنا فرما دیجئے کہ آپ تو سعید کو اپنی غلامی میں لینے کے لئے رضامند ہیں؟

نواب سکندر جاہ :۔ نواب صاحب! کیا عرض کروں۔ میری رضامندی تو دراصل کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اصل رضامندی تو بُوا رحیمن اور بیگم کی ہے۔ شاید اُنھیں یہ تامل ہو کہ حیدر آباد دُور بہت ہے۔

نواب حشمت یار جنگ :۔ یہ خیال نہ فرمائیے۔ میڈیکل کالج کی تعطیلات ختم ہونے پر سعید ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لکھنؤ آجائے گا آخر میرا علاقہ اسی ضلع میں ہے۔ سعید آپ ہی کے زیر سایہ لکھنؤ میں رہے گا، اور اگر خدا نے میری تمنا پوری کردی تو خود مجھے بھی حیدر آباد میں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ پنشن لے کر اپنے وطن قدیم میں آجاؤں گا۔

نواب سکندر جاہ :۔ بہت بہتر ہے۔ میں ایک ہفتہ کے بعد آپ کو جواب

دے سکتا ہوں۔ آپ کو خط کہاں بھیجا جائے؟

نواب حشمت یار جنگ :۔ کاکوری ــــ مگر نہیں ایک ہفتہ کے بعد میں خود حاضر خدمت ہوں گا۔

نواب سکندر جاہ :۔ بہت بہتر ہے۔

نواب حشمت یار جنگ کے رخصت ہونے کے بعد نواب سکندر جاہ تھوڑی دیر تک اُن کی تجویز پر غور کرتے رہے۔ انھیں بظاہر تو کوئی نقص نظر نہ آتا تھا۔ نواب حشمت یار جنگ اودھ ہی کے ایک معزز ترین خاندان سے تعلّق رکھتے ہیں۔ حیدرآباد میں درجۂ اوّل کے تعلقہ دار ہیں۔ خدا کے فضل سے لڑکا قابل ہے۔ بی، اے کا امتحان پاس کرلیا ہے اور اب ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ذاتی جائیداد بھی معقول ہے۔ صرف یہ خیال ہو سکتا تھا کہ لکھنؤ سے حیدرآباد بہت دُور ہے۔ سو وہ دشواری بھی ایسی نہیں جو رفع نہ ہو سکے۔

نواب سکندر جاہ جس قدر اس مسئلہ پر غور کرتے تھے انھیں یہ رشتہ اپنی نجمہ کیلئے مناسب معلوم ہوتا تھا، رات میں کھانے سے فارغ ہوکر نواب صاحب نے شوکت آرا بیگم سے گفتگو شروع کی۔

نواب صاحب :۔ بیگم! کچھ تمھیں اپنی نجمہ کا بھی خیال ہے؟

شوکت آرا بیگم :۔ (متحیّر ہوکر) کس بات کا خیال؟

نواب صاحب :۔ یہی کہ اب ماشاءاللہ سیانی ہو رہی ہے۔

بیگم :۔ ہاں خیال کیوں نہیں۔ میری تو ہر وقت یہی دُعا ہے کہ نجمہ کے سہرے کے پھول جلد کھلیں۔

نواب :۔ شہر اور دوسرے مقامات سے پیام تو برابر آرہے ہیں۔

بیگم :۔ پیام کیوں نہ آئیں۔ چشم بد دُور میری لڑکی بھی تو دسوں اُنگلی دسوں چراغ ہے۔

نواب :- ماشاءاللہ۔

بیگم :- یوں تو بڑے بڑے نوابوں اور تعلقداروں نے اپنے لڑکوں کے پیام بھیجے۔ مگر سچ پوچھو تو اب تک کوئی پیام میرے حسبِ دلخواہ نہیں آیا۔ دولت تو ہے مگر لڑکوں میں تعلیم نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ جتنی میری نجمہ قابل ہے ویسا ہی قابل اُس کا دولہا بھی آئے۔

نواب :- ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے، کہو تو بتاؤں۔

بیگم :- اے نوج، پوچھنا کیا! بتاتے کیوں نہیں؟

نواب :- کاکوری والے نواب حشمت یار جنگ کا نام سُنا ہے؟

بیگم :- وہی نا! حیدر آباد والے نواب!!

نواب :- ہاں ہاں میرا مطلب اُن ہی سے ہے!

بیگم :- ہاں جانتی کیوں نہیں، تین چار سال ہوئے اُن کی بیوی میرے یہاں مہمان آئی تھیں۔

نواب :- تمھیں تو خوب خیال آیا۔

بیگم :- یوں بھی میرے میکے سے اُن کی قرابت ہے۔ میرے ماموں زاد بھائی پُتّن صاحب کو حیدر آباد والے نواب ہی کے خاندان کی تو لڑکی بیاہی ہے۔

نواب :- تو یہ کہو تم خیر سے پوری واقف کار نکلیں۔

بیگم :- خوب اچھی طرح جانتی ہوں، اُن کے کُنبہ میں سب باعزّت اور بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔ مگر تمھارا مطلب؟

نواب :- نواب حشمت یار جنگ کا ایک لڑکا ہے 'سعید الرحمٰن'!

بیگم :- ارے وہی لڑکا تو نہیں جو نجمہ کی چھٹی میں پُتّن بھائی کی بیوی کے ساتھ آیا تھا۔ اُس وقت تین چار سال کا ہوگا۔ بڑا پیارا پیارا بچّہ تھا۔ میں نے پوچھا تو بھابی

نے کہا تھا کہ حیدر آباد والے نواب کا لڑکا ہے۔

نواب :۔ عورتوں کو بھی سالہا سال کی باتیں یاد رہتی ہیں۔

بیگم :۔ (قہقہہ لگا کر) جبھی تو مرد ہم عورتوں کو ناقص العقل کہتے ہیں۔

نواب :۔ وہ لڑکا بہت قابل نکلا۔ اس نے بی۔ اے کا امتحان پاس کر لیا ہے اور اب ڈاکٹری پڑھے گا۔

بیگم :۔ تو کیا تمھارا خیال نجمہ کے ساتھ ہے؟

نواب :۔ تم سے رائے پوچھتا ہوں۔

بیگم :۔ مگر کہاں لکھنؤ، کہاں حیدر آباد! سنتی ہوں سات آٹھ دن میں تو ریل پہنچتی ہے۔ میں تو اپنی لڑکی کبھی کالے کوسوں نہ بیاہوں گی۔ ایمان کی پوچھو تو میں چار پیسے ڈولی پر بھی اُس کی سسرال نہیں چاہتی۔

نواب :۔ مگر لڑکا تو لکھنؤ میں رہے گا۔

بیگم :۔ یہ کس طرح؟

نواب :۔ ڈاکٹری پڑھنے لکھنؤ میں آئے گا اور چونکہ نواب حشمت یار جنگ کے حیدر آباد میں رہنے سے اودھ میں اُن کی زمینداری برباد ہو رہی ہے اس لئے وہ لکھنؤ ہی میں رہے گا تاکہ جائداد کی بھی نگرانی کر سکے۔

بیگم :۔ حیدر آباد والے نواب آدمی تو بہت شریف اور خاندانی ہیں حسب نسب کو پوچھنا نہیں۔ آگے تم اپنا دل بھر لو۔ بیٹی کا معاملہ ہے۔

نواب :۔ مقدم تو تمھارا دل بھرنا ہے۔

بیگم :۔ میں صبح بوا رحیمن سے صلاح کر دوں گی۔

نواب نے بیگم کے لب لعلیں کا بوسہ لے کر کہا۔ "تم اپنی وزیر اعظم سے ضرور مشورہ کر لو۔"

بیگم نے مُسکرا کر جواب دیا: "مجھے تو رحیمن کی رائے پر پورا اعتبار ہے، اُس سے بڑھ کر نجمہ کا خیر خواہ اور کون ہو سکتا ہے؟"

شبِ عروسی کے پوشیدہ راز

شوکت آرا بیگم کے تو تلووں سے لگی تھی نہ جانے رات کس طرح کاٹی۔ صبح ہوتے ہی بی رحیمن کو سارا حال سُنایا۔ بُوا مغلانی اپنے مصلّے پر بیٹھی ہوئی داستانِ شب سُنتی رہیں۔ اسکے بعد اپنے سفید چونڈے کو کھجا کر کہنے لگیں۔ "اے ہے بیگم! نواب کی بھی کیا عقل ماری گئی ہے غضب خدا کا نہ اسم نویسی، نہ رقعہ، کہیں بھی سُنا ہے کہ لڑکے والے خود مکان پر آئیں اور پیام دے جائیں، اور پھر مزا یہ ہے کہ وہ جواب لینے بھی خود ہی آئیں گے۔

بیگم! میری اتنی عمر آئی، میں نے آج تک نہیں سُنا کہ نسبت پختہ ہونے سے پہلے لڑکے والے لڑکی کے مکان پر آجائیں۔ نواب تو اب ہو گئے ہیں نیچری۔ یہ خیال نہیں کہ اس طرح لڑکی پر گالی چڑھتی ہے۔"

شوکت آرا بیگم نے ہنس کر جواب دیا۔ "بُوا تم بھی بڑے پُرانے خیال کی ہو۔ حیدرآباد والے نواب تمھارے نواب سے ملنے کے لئے آئے تھے اور دوسرے تیسرے برس برابر آتے ہی رہتے ہیں۔ باتوں ہی باتوں میں یہ ذکر چھڑ گیا۔ کچھ اپنے بیٹے کی نسبت پختہ کرتے نہیں آئے تھے۔"

مغلانی:۔ بیگم! ان باتوں کو تم جانو۔ میں تو ریت رسم کی بات کہتی ہوں۔

بیگم:۔ میں تمھاری رائے چاہتی ہوں۔ اگر تمھارا دل بھرے تو حیدرآباد والے نواب کے یہاں سے باقاعدہ رقعہ منگوایا جائے۔

مغلانی:۔ میں تمھارے ٹکڑوں پر پلنے والی کیا رائے دے سکتی ہوں۔ خُدا رکھے سولہ آنے نجمہ کے ماں باپ موجود ہیں جیسا چاہیں ویسا کریں۔

بیگم :۔ بُوا تم تو آپ ہی آپ بُرا مانتی ہو۔ بھلا تمھاری مرضی کے بغیر میں نجمہ کی شادی کر سکتی ہوں۔ نجمہ تمھارے نام کی ہے۔ خُدا تمھارے چراغ کو روشن رکھے۔

مغلانی :۔ الہٰی میری نجمہ کے سہرے کے پُھول کھلیں، وہ بوڑھ سُہاگن ہو۔ دودھوں نہائے، پوتوں پھلے، سندل سے مانگ، بچّوں سے گودی بھری رہے۔ لیکن بیگم پھر کہے بغیر مُنہ نہیں مانتا۔ بچّی کو کالے کوسوں بیاہو گی۔

بیگم : مگر لڑکا تو یہیں رہے گا۔ میں نے نواب سے پورا اطمینان کر لیا ہے۔

مغلانی :۔ میں اشٹام لکھواؤں گی اشٹام! لڑکی نخلئو سے باہر نہیں جائے گی۔

بیگم نے ہنس کر جواب دیا "ضرور ضرور۔ اسٹامپ کی رجسٹری بھی کرا لینا۔

مغلانی :۔ اور نہیں تو کیا ویسے۔ بیگم! میرے سامنے ابھی پھر تم بچّہ ہو۔ میں نے دھوپ میں چونڈا انہیں سفید کیا ہے۔ ریاستوں، رجواڑوں کے اونچے نیچے کو خوب سمجھتی ہوں ــــ مگر ــــ میری ایک شرط اور بھی ہے۔

بیگم! وہ کیا؟ حیدرآباد والے نواب جواب لینے کے لئے خود نہ آئیں بمشاطّہ باقاعدہ رقعہ لے کر آئے۔ ہم اُسے جواب دے دیں گے۔ جب نسبت پُختہ ہو جائے۔ اُس وقت لڑکے والوں کے آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

بیگم نے ہنس کر کہا "منظور، منظور۔ مگر لڑکے کی دادی کی، نانی کی، خالہ کی اگر چھان بین کرنا ہو تو کر لو۔ پھر مجھے الزام نہ دینا!"

بڑی بی کِھلکھلا کر ہنسی اور کہا "اے بیگم! کیا تم مجھے پاگل سمجھتی ہو؟"

شوکت آرا بیگم مسکراتی ہوئی نواب سکندر جاہ کے کمرے کی طرف چلیں اور بی مغلانی نے دو سجدے شکرانے کے کئے۔

چند روز کے بعد نواب حشمت یار جنگ کے یہاں سے رقعہ طلب کیا گیا اور اہلِ خاندان و متعلقین سے رسمی مشورے کے بعد اُن کو منظوری کی اطلاع دیدی گئی۔

سعید کو تار دیکر حیدر آباد سے بلایا گیا۔ بَر دکھاوے کی رسم ہوئی اور نواب حشمت یار جنگ کی بیگم نے دھوم دھام کے ساتھ منگنی پُختہ کرلی۔ کئی من مٹھائی آئی۔ کئی عدہ مرصّع زیور چڑھائے گئے، نواب سکندر جاہ نے بھی اپنے ہونے والے داماد کو طلائی انگشتری اور قیمتی دوشالے کے ساتھ پانچ سو روپے نقد دیئے۔

نجمہ اپنے والدین کی اکلوتی بچّی تھی اور سعید اپنے والدین کا اکلوتا لڑکا۔ نواب سکندر جاہ اور نواب حشمت یار جنگ دونوں کے دلوں کے ہزاروں ارمان تھے۔ نواب حشمت یار جنگ نے اپنی رخصت میں چھ ماہ کی توسیع کرائی اور نہایت تُزک واحتشام کے ساتھ شادی کی متعلقہ رسوم انجام پذیر ہونے لگیں۔

ساچق، بَری، مانجھے وغیرہ میں طرفین نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ خُدا خُدا کرکے بارات کی تاریخ قریب آئی۔ شوکت آرا بیگم ایک طرف اپنی بیٹی کے بیاہ سے پھُولی نہیں سماتی تھیں۔ دوسری جانب نجمہ کی مفارقت کا خیال اُن کے دل میں چُٹکیاں لیتا تھا۔

بُوا رحیمن ہر وقت نجمہ کے پاس ہی رہتی تھیں اور اُن کی زندگی کا کوئی ایسا تجربہ نہ تھا جس سے وہ نجمہ کو آگاہ نہ کرتی ہوں۔ تاریخ معینہ پہ بارات بہت دھوم دھام کے ساتھ کاکوری سے لکھنؤ آئی۔ نواب سکندر جاہ نے بھی مہمانوں کی مدارات میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ شہر کے پیران نود سالہ بھی کہتے تھے کہ ہم نے اپنے ہوش میں نہ تو ایسی شاندار بارات دیکھی اور نہ ایسے حاتمانہ دل کے ساتھ مہانداری۔ لکھنؤ والوں کی نگاہ میں عہدِ شاہی کا نقشہ دوبارہ پھر گیا۔

سہ پہر میں بارات آئی۔ رات میں نکاح کی تیاری شروع ہوئی۔ وکیل وشاہدین نجمہ کا ایما دریافت کرنے کے لئے محلسرا میں آئے۔ نجمہ زار وقطار رو رہی تھی۔ اس نے دیر تک کوئی جواب نہ دیا۔ سارا گھر ایک سر سے ہزار سر ہوگیا۔ خدا بھلا کرے بی رحیمن کا

جنھوں نے کسی نہ کسی طرح نجمہ سے ہوں کرا دی۔

سوا لاکھ روپے کا مہر مقرر ہوا۔ نکاح ہو گیا۔ مبارک سلامت کا شور بلند ہوا، بندوقیں سر ہوئیں، نوبت والوں نے شادیانے بجائے۔ طوائفوں نے سہرا گایا۔

باہر محفلِ نشاط گرم تھی۔ زنانخانہ میں شوکت آرا بیگم خواتین کی مدارات میں ہمہ تن مصروف تھیں۔ کئی دن سے انھیں سر اٹھانے کی فرصت نہ ملی تھی۔ تکان کا غیر معمولی غلبہ تھا۔ مگر ان کی ہمّت کی داد دینا چاہیئے کہ ایک منٹ کے لئے بھی نہ بیٹھی تھیں۔ گھر میں خدا کے فضل سے درجنوں خادمائیں تھیں لیکن ایک ایک بات کی نگرانی خود کر رہی تھیں۔ ساری زنانہ محفل شوکت آرا بیگم کے حسنِ انتظام پر عش عش کر رہی تھی۔

غریب نجمہ کا سینہ محشرستانِ جذبات بنا ہوا تھا۔ دماغ میں طرح طرح کے خیالات گونج رہے تھے۔ کبھی والدین کی مفارقت کا صدمہ دامنگیر ہوتا تھا۔ کبھی آئندہ زندگی کا تخیل متوحش کر دیتا تھا۔ ایک علیحدہ کمرے میں بستر پہ لیٹی تھی۔ چاہتی تھی کہ تھوڑی دیر سو جائے لیکن تفکّرات کے ہجوم اور محفل کے شور و غل میں نیند کہاں، بوڑھی مغلانی نے بہت ہمّت کی۔ کئی راتیں انتظام میں برابر جاگیں۔ لیکن آج تو انھیں تکان نے اس قدر گھیرا کہ نکاح کے بعد مراثنوں کا گانا بھی نہ سنا اور نجمہ کے قریب ہی گھوڑے بیچ کر سو رہیں۔ بڑی بی کسی وقت بھی نجمہ کے پاس سے ہٹنا نہ چاہتی تھیں۔ اور نجمہ کی بے تکلف سہیلیوں کو بی مغلانی کی وجہ سے چھیڑ چھاڑ کا موقع کم ملتا تھا۔ بُوا رحیمن کی اس وقت مرگ نمائند نجمہ کی سہیلیوں کو بہت غنیمت معلوم ہوئی اور انھوں نے نجمہ کو گھیر لیا۔

اختر جہاں نے چٹکی لیکر کہا "کل دولہا کے یہاں جاؤ گی؟"

قمر آرا گدگدی کرکے بولیں "اے ہے دل میں چاہے نہال لوں نہال ہوں لیکن ظاہر میں آنسو سے گھلا رہی ہیں"

نجمہ نے اور بھی شرما کر منھ چھپا لیا۔ حمیدہ بیگم نے چہرے پر سے دوشالہ سرکا کر

کہا۔ "ہمیں کیا دکھاتی ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ اپنے دولہا سے اسی طرح شرماؤ گی"۔
نجمہ نے تنک کر کہا۔ "بھئی خدا کے لیئے ہمیں اس وقت نہ چھیڑو"۔
اختر جہاں نے مسکرا کر کہا۔ "ہم سے نہ کہو کل اپنے دولھا سے اسی طرح کہنا"۔
قمر آرا:۔ ہم سے اس طرح کہو گی تو ہم تمھارے چٹکیاں لیں گے، لیکن اگر دولھا سے اس طرح ٹھنک ٹھنک کر باتیں کرو گی تو وہ تمھارا منہ چومیں گے۔
نجمہ:۔ آخر تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑی ہو؟
حمیدہ:۔ ہم پیچھے کیوں پڑنے لگے۔ تمھیں پریشان کریں گے تمھارے دولھا۔
اختر جہاں:۔ اور وہ پریشان نہ کریں گے تو دل کی کلی کیسے کھلے گی؟
نجمہ:۔ ہم کہہ رہے ہیں کہ خدا کے لئے ہم کو نہ چھیڑو!
حمیدہ:۔ اے ہے خدا کی قسم کتنا پیارا فقرہ ہے، مگر اسے اپنے دولھا کے لئے رہنے دو۔ وہ سن کر ——
اختر جہاں:۔ اپنے سینے سے تم کو لگا لیں گے۔
قمر آرا:۔ اور ہونٹھ اتنے چومیں گے کہ ——
حمیدہ:۔ مسّی چھوٹ جائے گی۔
نجمہ:۔ آخر ان باتوں سے تمھارا مطلب کیا ہے؟
اختر جہاں:۔ یہ اپنے دولہا سے پوچھنا۔ جب وہ بے موقع دست درازی کریں۔
نجمہ:۔ اچھّا ہم رحیمن نانی کو بلاتے ہیں۔
قمر آرا:۔ رحیمن نانی کو بلانے کی عادت اچھی نہیں کہیں دولھا کے کمرے میں اپنی بوڑھی نانی کو نہ بلانا۔
نجمہ:۔ اچھا ہمیں سونے دو، نیند معلوم ہو رہی ہے۔
حمیدہ:۔ تنہا کیا سوؤ گی، اب اپنے دولھا کی گود میں سونا۔ ایسا مزہ آئے گا کہ

کبھی تنہا نہ سوؤگی۔

نجمہ:۔ تم ہی کو ایسی بے شرمی کی باتوں میں مزا آتا ہوگا۔

حمیدہ:۔ مزا نہ آتا تو سسرال میں کیوں رہتے۔ اتنے برس ہو گئے لیکن ایک رات بھی اُن کا پہلو چھوڑ کر نیند نہیں آتی۔

نجمہ:۔ بڑی بے شرم ہو۔

اختر جہاں:۔ ایک ہی رات کی بات ہے، تم بھی ایسی ہی ہو جاؤگی۔

نجمہ:۔ جاؤ اب ہم تم سے نہیں بولیں گے۔

قمر آرا:۔ نہیں ہم سے تو بولو لیکن پہلی رات میں تم اپنے دولھا سے زیادہ باتیں نہ کرنا۔ جب بہت اصرار کریں تو اُن سے پانی مانگنا۔

نجمہ:۔ جی چاہتا ہے ہم زور سے چلّائیں۔

اختر جہاں:۔ مگر دیکھو خدا کے واسطے کہیں دولھا کے کمرے میں نہ چلّانا۔

حمیدہ:۔ اے اختر بہن! صاف کیوں نہیں کہتی ہو کہ جو کچھ بھی ہو خاموشی کے ساتھ برداشت کرنا۔

نجمہ:۔ ہوگا کیا؟

اختر جہاں:۔ وہی جو ہمارے ساتھ پہلی رات ہوا تھا۔

نجمہ:۔ کیا ہوا تھا؟

حمیدہ:۔ سنو میں بتاؤں اختر تو گنوار ہی ہے۔ اسے بات کرنے کا سلیقہ نہیں پہلی رات میں ہمارے دولھا نے ہمارے حسن کی دولت لوٹی تھی۔ جب میں بیاہ کر سسرال گئی تو مجھ کو علیحدہ کمرے میں رات کے وقت پہنچا دیا۔ تمھاری نانی رحمین کی طرح ہماری بھی ایک نانی لطیفن تھی۔ کچھ دیر وہ بھی ہمارے پاس رہیں۔ اس کے بعد انھوں نے بھی ہمارے کان میں کچھ باتیں کہہ کر اپنی راہ لی۔ کیا باتیں کہی تھیں؟ وہی جو ہم تم کو

سمجھا رہے ہیں۔ میں تنہا کمرے میں دم بخود گٹھری بنی ہوئی مسہری پر پڑی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ میرا کلیجہ دھک دھک کرنے لگا۔ اتنے میں ایک پُر محبت آواز میرے کان میں گونجی۔ "کیا میں آپ کی مسہری پر بیٹھ سکتا ہوں"۔ میں بھلا جواب کیا دیتی۔ "خاموشی نیم رضا" کہہ کر مسہری پر صرف بیٹھ ہی نہیں گئے۔ بلکہ میرے پہلو میں لیٹ بھی گئے اور لگے میری جانب دستِ شوق بڑھانے۔ میں نگوڑی مارے شرم کے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ اُنھوں نے طرح طرح کی باتیں بنا کر میرے چہرے کی زیارت کی۔ اور میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر لگے "چٹاچٹ بازی" کرنے۔ "چٹاچٹ بازی" کے معنی سمجھیں؟

اختر جہاں :۔ واہ مجھے تو تم کہتی تھیں کہ بات کرنے کا سلیقہ نہیں گنواری ہے اور خود لگیں ترکی بولنے۔

حمیدہ :۔ تم تو بال کی کھال نکالتی ہو۔ "چٹاچٹ بازی" کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے کبھی اس جانب کے گورے گورے گالوں کو چوما کبھی ہمارے نازک ہونٹھوں سے اپنے موٹے موٹے ہونٹھ ملا کر ایک چٹخارے کی آواز بلند کر دی۔

قمر آرا :۔ بہن حمیدہ سچ کہنا تمھیں کچھ مزا بھی آ رہا تھا؟

حمیدہ :۔ بھائی جھوٹ نہیں بولیں گے اُس وقت تو ڈر معلوم ہو رہا تھا لیکن جب اُنھوں نے مجھے اپنی آغوشِ شوق میں دبا کر میرے سینہ پر ہاتھ رکھا تو اُس وقت پھریری سی آ گئی تھی۔

نجمہ :۔ جنابِ امیر کی قسم، بڑی ہی بے شرم ہو۔

حمیدہ :۔ بے شرمی کی کیا بات ہے۔ یہی سب کچھ تمھارے ساتھ بھی ہوگا۔

اختر جہاں :۔ شرمیلی نجمہ نے پھر بات کاٹ دی۔ ہاں تم پورا قصّہ سُناتی کیوں نہیں ہو یا تو خود کہو یا مجھے کہنے دو۔

حمیدہ :- واہ بڑی کہنے والی۔ کیا تمھاری تخت کی رات میری شب عروسی سے زیادہ مزیدار تھی؟ اچھا سنو! اُن کا شوخ ہاتھ میرے جسم کے بالائی حصّوں سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہوا بتدریج نیچے کی جانب مائل ہوا۔ اب تو میں گھبرائی۔ لگی کسمسانے، بدن چُرانے، لیکن ان کی گرفت سے نکلنا غیر ممکن تھا۔ یہاں تک کہ انھوں نے میرے کمر بند کی طرف ہاتھ بڑھایا اور میں نے گھبرا کر کہا۔ "یہ کیا کرتے ہو؟"

انھوں نے گرمجوشی کے ساتھ میرا مُنھ چوم کر کہا۔ "پیاری پہلی رات کے یہی تو مزے ہیں۔" کچھ تو میں اپنی بیاہی ہوئی سہیلیوں سے سُن چکی تھی اور کچھ نانی لطیفن سے اس لئے اپنی جان پر صبر کر کے خاموش پڑی رہی۔ اُن کی حرکتوں سے کچھ تو خوف معلوم ہوتا تھا اور کچھ ــــ سچ کہہ دیں ــــ مزا بھی آتا تھا۔ یا تو وہ بالکل میرے سینہ پر سوار تھے یا اب اُچک کر میرے پاؤں کے پاس جا بیٹھے۔ میں عُریانی کی وجہ سے بہت شرمائی ہوئی تھی لیکن کر ہی کیا سکتی تھی۔ بہر حال اتنی تسکین ضرور تھی کہ ایک حمام میں سب ننگے۔ اگر میں بے ستر ہوں تو وہ بھی برہنہ ہیں۔ اگر وہ مجھے "ننگی" کہہ کر چڑھائیں گے تو میں بھی کہوں گی۔ "تم ننگے"۔

قمر آرا :- واہ وا کیا دل کو تسکین دی ہے۔

اختر جہاں :- تم نے سُنا نہیں "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" بہت ہوتا ہے۔ حمیدہ نے ہنس کر کہا: "اُن کی گرمجوشیاں برابر بڑھتی جا رہی تھیں۔ مجھے اب اس بات کی خلش تو ضرور تھی کہ آگے کیا ہوتا ہے، باقی اور کوئی خوف باقی نہ رہا۔ بلکہ ایک آدھ مرتبہ تو میرا جی چاہا کہ جب وہ میرا مُنہ چومیں تو میں بھی اُن کا چوم لوں۔ اتنے میں میرے ہوش اُڑ گئے۔"

حمیدہ نے نجمہ کے کان میں جھک کر ایک۔۔ بات کہی۔ دوسری سہیلیوں نے بغیر سُنے ہوئے کہ حمیدہ نے کیا کہا۔ قہقہہ لگایا۔ اور حمیدہ بیگم بولیں: مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ آنکھوں

تلے اندھیرا چھا گیا۔ دل ڈوبنے لگا۔ چاہتی تھی کہ وہ میرے پاس سے اس وقت ہٹ جائیں مگر انھیں کیا پروا وہ تو پہلی رات کے مزے میں تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد میرے ہوش بجا ہوئے۔ تکلیف تو کسی قدر ضرور محسوس ہو رہی تھی لیکن دل پہ ایک عجیب قسم کا کیف طاری تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے شراب پلا دی ہو، اُن کی محبّت میرے جسم کے رونگٹے رونگٹے میں بجلی کی طرح دوڑ گئی، میں اُن کی طرف دیکھنا چاہتی تھی۔ لیکن شرم کی وجہ سے آنکھ خود بخود نیچے جھک جاتی تھی۔ اب اُن کی "چٹاچٹ بازی!"

اختر جہاں :۔ پھر وہی چٹاچٹ بازی!"

حمیدہ :۔ اچھا، داستانِ امیر حمزہ کا بوس و کنار۔ اور اُن کی ہم آغوشیوں سے اب مجھے غیر معمولی لُطف آ رہا تھا، اور یہ لطف تم بہنوں کی جان کی قسم ایسا تھا کہ اس کے سامنے نگوڑی ذرا سی تکلیف کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

قمر آرا :۔ اچھا پھر کیا ہوا؟

حمیدہ :۔ ہوا کیا عروسی کے کمرے میں سب چیز مہیّا ہوتی ہے۔ بدن پاک کیا۔ دودھ پیا۔ پان کھائے۔ اُن کے پہلو میں آرام سے سو رہے۔ صبح ہوئی چراغ گُل بگڑی غائب۔

نجمہ :۔ اے ہے۔ ایسی بے شرم عورت۔ ویدے کا پانی ڈھل گیا ہے۔ کیسی صفائی کے ساتھ ایسی بیہودہ باتیں زبان سے نکال رہی ہے اور تم لوگوں کو بھی ایسی باتیں سُنتے شرم نہیں آتی۔

قمر آرا نے اپنی گود کے سوتے ہوئے بچّہ کو سینے سے چمٹا کر جواب دیا۔ " اگر شرم آتی تو یہ لعل کہاں سے پیدا ہوتا جس پہ لاکھوں روپے قربان ہیں"

اختر جہاں :۔ گھبراؤ نہیں صرف یہی رات درمیان ہے، تمھاری آنکھوں کا پانی

بھی ڈھل جائے گا۔

حمیدہ :۔ ایک بات تو یہ ہے، ہمارے میاں پُرانے طرز کے رئیس زادے ہیں۔ انھیں نئی نئی باتیں کیا معلوم، لیکن خدا کے فضل سے نجمہ بہن کے میاں ہیں ایف۔ اے۔ بی۔ اے پاس اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وہ اپنی بیوی کو خوب نئی نئی باتیں سکھائیں گے۔ اگر نجمہ سال چھ مہینے کے بعد ہم کو اپنی سُہاگ رات کا حال سُنائیں تو لطف آئے۔

قمر آرا :۔ سُنائیں گی کیوں نہیں۔

اختر جہاں :۔ ڈاکٹر صاحب کی نئی نئی باتیں معلوم ہوں گی۔

حمیدہ :۔ ہم ایسے جاہلوں کو بھی کچھ فائدہ پہنچ جائے گا۔

قمر آرا :۔ کہو بہن نجمہ وعدہ کرتی ہو!

اختر جہاں :۔ بولتی کیوں نہیں مُنہ سے؟ زیادہ شرماؤ تو پہلے ہماری داستان سُن لینا۔

قمر آرا :۔ ہم بھی اپنی رنگین کہانی سُنائیں گے

حمیدہ :۔ میں تو پہلے ہی سُنا چکی۔

اختر جہاں :۔ نجمہ بھی سُنائیں گی۔ ذرا اُن کے حُسن کی دولت لُٹ جانے دو۔

قمر آرا :۔ یہ تو خدا کے فضل سے اس قدر قابل ہیں ان کو تو چاہیئے کہ اپنی ازدواجی زندگی کے تجربے کتابی صورت میں چھپوائیں تاکہ ہندوستان کی عورتوں کو فائدہ پہنچے اور اُن کی معلومات میں اضافہ ہو۔

حمیدہ :۔ خدا کی قسم کیا بات کہی ہے۔ کیوں نجمہ بہن وعدہ کرتی ہو؟

نجمہ :۔ خدا کے لئے ہمیں اس قدر پریشان نہ کرو۔

اختر جہاں :۔ اے ہے تمھیں کون پریشان کر رہا ہے۔ ایک تو دوسری عورتوں کی پوشیدہ باتیں مزے لے لے کر سُن رہی ہو۔ اوپر سے اُلٹی دھونس کہ ہم کو پریشان

کرتی ہو۔

نجمہ:۔ کون تمھاری بے شرمی کی باتیں سن رہا ہے؟

قمر آرا:۔ تم سن رہی ہو۔ نہ سُنتیں تو ہم لوگوں کو بے شرمی کا پروانہ کیوں دے دیتیں۔

حمیدہ:۔ گھبراؤ نہیں وقت آگیا ہے۔ اب ہم تم سے بے شرمی کا حال پوچھیں گے۔ ارے اس بے شرمی میں تم کو اتنا مزہ آئے گا کہ ماں باپ کو بھول جاؤ گی — ہم سہیلیوں کو کبھی یاد نہ کرو گی۔

اتنے میں بڑی بی کروٹ بدل کر کھنکھاریں۔ حمیدہ نے مُسکرا کر کہا "داستانِ امیر حمزہ کی بی بی آصفہ باصفا بیدار ہو رہی ہیں" اختر جہاں اور قمر آرا زیرِ لب ہنسیں۔ بی مُغلانی رحیمن نے آنکھیں کھول کر ان سب کی طرف دیکھا اور کہنے لگیں "اے لڑکیو! دلہن کو ذرا دیر کے لئے سو رہنے دو۔ تم لوگوں کی باتیں تو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ ذرا دیر تو وہ آرام کر لے"

اختر جہاں:۔ نانی ہم کو تو تمھاری نجمہ ہی نے بُلا کر بٹھایا تھا، مزے میں بیٹھکر مراثنوں کا گانا نہ سنتے۔ ان کے بلانے سے چلے آئے۔

بی مُغلانی:۔ اے بیٹی یہ خیال ہوتا ہے کہ دلہن ذرا دیر سو رہے، کل بھی تمام دن رو کر ہلکان ہو گی۔

حمیدہ:۔ اچھّا نانی اماں ہم جاتے ہیں۔ جو کچھ ہمارا کام تھا انجام دے چکے۔ کام کا نام سُن کر جہاں دیدہ مغلانی بوا اندر اسٹ پٹائیں۔ آخر انھوں نے کھنکھار کر بولیں "بچیو! بیٹھو، تمھاری نجمہ کا دھوپ میں تو چونڈا سفید نہیں کیا تھا۔ جی بہلے گا۔ میں بھی ذری کی ذری باہر جا کر دیکھ آؤں کہ بیگم کیا کر رہی ہیں۔

اختر جہاں:۔ نے قہقہہ لگا کر جواب دیا "نہیں نانی، اب ہم لوگ نہیں بیٹھتے

جا کر مراثنوں کا گانا سُنیں گے۔ رودولی دریا باد کی مراثنیں آئی ہیں۔

قمر آرا :۔ ہاں بہن! اب اُٹھو!

حمیدہ :۔ نانی اماں! تم بالکل مطمئن رہو۔ ہمارا کام پورا ہو گیا۔ ہم اب جاتے ہیں۔

مُغلانی رحمین سر جُھکا کر خاموش ہو رہیں اور حمیدہ بیگم، اختر جہاں اور قمر آرا کے ساتھ ہنستی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

دیارِ وطن کی آخری شام

سپیدۂ سحر نے عروسِ اُفق کی پیشانی پر اپنی نورانی افشاں چھڑکی۔ خدائی نوبت کی آواز سُن کر نقارخانوں میں خاموشی چھا گئی۔ "اللہ اکبر" کے روح پرور نغموں نے موسیقی کے سازوں کو مبہوت بنا کر خاموش کر دیا۔ محفلِ طرب میں عارضی طور پر سکوت کا دَور دَورہ ہوا۔ مردانہ محفل میں شاہدانِ بازاری ایک گوشہ میں بیٹھ کر جمائیاں لینے لگیں۔ زنانخانہ میں مراثنوں نے انگڑائیاں لینا شروع کیں۔ صبح کے مقدس سکوت کے احترام میں سب خاموش تھے۔ پرندے اپنی نغمہ ریز آوازوں میں حمدِ الٰہی کر رہے تھے اور انسان سربسجود ہو کر اظہارِ عبودیت کر رہے تھے۔

سورج نجمہ کی محفل شادی کی دھوم سُن کر اشتیاق کے ساتھ دیکھنے کے لئے نکلا۔ مگر محفل کی بجھی ہوئی شمعوں نے اُس کا استہزا اُڑا کر کہا۔ ؎

خالی نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈھتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

دن کے وقت محفل شادی میں وہ رونق کہاں، بادۂ نشاط کا سُرور مٹ چکا۔ خمار باقی تھا، لڑکی والوں کو تیاری جہیز کی فکر تھی اور دولھا والوں کو روانگی کی اُلجھن۔

اس وقت نواب سکندر جاہ کی محلسرا پر شادی کے سازوسامان کے باوجود ایک عجیب طرح کی افسردگی برس رہی تھی۔ اندر سے جو باہر کو آتا تھا مغموم صورت۔ چند گھنٹوں کے بعد نجمہ اس مکان سے رخصت ہونے والی تھی جہاں اس نے اپنی

زندگی کے سولہ سال گزارے تھے۔ وہ اب اپنے عزیزوں سے جُدا ہو کر ایسے اجنبی ماحول میں قدم رکھنے والی تھی جس کی صورت اس نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔ سہیلیوں کا ساتھ چھوٹنے والا تھا۔ اس کی صورت کے پجاری والدین اب اس کو ایک پرائی امانت سمجھکر غیر ہاتھوں میں سونپنے والے تھے۔

نجمہ برابر زار و قطار رو رہی تھی۔ گھر کی تمام مستورات سمجھا رہی تھیں۔ لیکن اُس کی آنکھ سے آنسو نہ تھمتا تھا۔ بُوا رحیمن روتی بھی جاتی تھیں اور نجمہ کو دلاسا بھی دیتی جاتی تھیں۔ شوکت آرا بیگم کا تو یہ حال تھا کہ اُن سے نجمہ کی صورت نہ دیکھی جاتی تھی، اس خیال سے کہ نجمہ انھیں روتا دیکھ کر کہیں زیادہ بیتاب نہ ہو جائے۔ اِدھر اُدھر بیٹھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتی پھرتی تھیں۔

خاندان کی دوسری خواتین جہیز کا سامان درست کرنے میں مصروف تھیں۔ نجمہ کی سہیلیاں اور دوسری نوعمر لڑکیاں مہمانوں کی مدارات میں مصروف تھیں۔

دن جس قدر گزرتا جاتا تھا نجمہ کی بے قراری بڑھتی جاتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مراثنوں نے درد انگیز سُروں میں بابل گانا شروع کیا۔ ہر ایک کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہو گئے۔ جس وقت مراثنوں نے گایا:۔

بھائی کو دینی کوٹھا اٹاری ــــــــ ہم کو دیا ہے بدیس رے

سُن بابل مورے

تو نجمہ کے مُنہ سے بے تحاشا چیخ نکلی اور وہ بیہوش کر گر پڑی۔ سارے گھر میں تہلکہ مچ گیا۔ شوکت آرا بیگم ڈھاریں مارتی ہوئی اپنی بیٹی کے پاس آئیں۔ بی رحیمن آیۃ الکرسی پڑھ پڑھ کر دم کرنے لگیں۔ کسی نے نخلخہ سنگھایا، کسی نے تلوے سہلائے۔ نواب سکندر جاہ کو خبر ہوئی وہ بھی گھبرائے ہوئے زنانخانے میں داخل ہوئے، خدا خدا کر کے نجمہ نے بہت دیر کے بعد آنکھ کھولی۔ سامنے سکندر جاہ تسبیح ہاتھ میں لئے کھڑے تھے۔ اُن کی

صورت دیکھتے ہی نجمہ نے

"ارے بابل مورے"

کہہ کر دونوں ہاتھ اُن کی گردن میں ڈال دیئے۔ ساون بھادوں کا مینھ برس گیا۔ ایسا دردناک نظارہ تھا کہ غیروں کے بھی آنسو نکل آئے۔ نواب صاحب بہت ضبط کے آدمی تھے، لیکن اس رقت انگیز موقع پر ان کی قوت نے بھی جواب دے دیا۔ متانت رخصت ہو گئی اور بیتاب ہو کر رونے لگے۔ بہت دیر کے بعد جب دل کی بھڑاس کم ہوئی تو نواب سکندر جاہ اپنی بیٹی کو سمجھا بجھا کر رخصت ہوئے۔ خواتین نے نجمہ کو دلاسا دینا شروع کیا۔ اختر جہاں نجمہ کی جدائی سے بہت بیتاب تھیں لیکن اس موقع پر انھوں نے ضبط و سکون سے کام لے کر نجمہ کا ہر طرح دل بہلانا شروع کیا۔ کہنے لگیں "بہن نجمہ تم اس قدر پریشان نہ ہو، خوش نصیب ہے وہ لڑکی جو عزت و آبرو کے ساتھ اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو جائے"۔

حمیدہ بیگم:۔ دیکھو آخر ہم سب کی شادی بھی تو اسی طرح ہوئی تھی۔ کہیں اس طرح رو رو کر جان دیتے ہیں۔ یہ دن تو ہر شریف لڑکی کے لئے ہے اور خدا یہ دن سب کو دکھائے۔

سرور جہاں:۔ تم ماشاءاللہ سمجھدار ہو، ذرا صبر سے کام لو۔ اگر اس طرح پریشان ہو گی تو بتاؤ تمھاری ماں کا کیا حال ہو جائے گا۔

قمر آرا:۔ رات بھر کی جدائی ہے۔ صبح ہوتے ہی تم کو انشاءاللہ بلا لیا جائے گا اور کل تم اپنے گھر میں بیٹھی ہو گی۔

مغلانی رحیمن:۔ اور بیٹی تم گھبراتی کیوں ہو میں تو تمھارے ساتھ چلوں گی اور خدا چاہے تو کل تم کو اپنے ساتھ لے کر واپس ہوں گی۔

قمر آرا:۔ دیکھو تو تم نے چار دن میں رو رو کر اپنی کیا صورت بنالی ہے۔ خدا کی قسم

ذرا سا مُنھ نکل آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد زنانخانے میں دولھا کی آمد کا شور بلند ہوا۔ جو مستورات سامنے ہونے والی تھیں بیٹھی رہیں۔ پردے والیوں نے پردہ کرلیا۔ مگر دولھا تو ایک دن کا بادشاہ ہوتا ہے۔ اس سے پردہ کیسا، کانا پردہ تھا۔

سعید سر جُھکائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ مختلف رسمیں ادا ہوئیں۔ جب "شیر بھیرٹ" کی رسم کی گئی تو وہی محلسرا جہاں تھوڑی دیر پیشتر ہر متنفس زار و قطار رو رہا تھا اب پھر زعفران زار بن گیا۔ ہر جانب سے پُر زور قہقہے بلند ہوئے۔

آرسی مصحف کا وقت آیا، دولھا نے پہلی مرتبہ دلہن کی صورت دیکھی، صورت تو کیا دیکھی یوں کہنا چاہیئے کہ حقیقت میں دل میں دلہن کے ہاتھ دیکھے۔ سعید نے ہزاروں ارمانوں کے ساتھ سورۂ اخلاص پڑھ کر دلہن پہ دم کی۔ آنکھیں کھولنے کے لئے بار بار التجائیں کرتے ہوئے شاہ حسن کے دربار میں اپنی غلامی کا اعتراف کیا۔ دلہن کی رخصت کا وقت قریب آرہا تھا۔ جہیز کا سامان آراستہ ہوچکا تھا۔ مہمانوں کے بستر تیار ہوگئے تھے۔ محلسرا کے دروازے پر موٹروں، گاڑیوں، ہاتھیوں اور اونٹوں کی بھیڑ تھی۔ "بابل مورے" زور و شور کے ساتھ گایا جارہا تھا۔ دلہن اور دوسری خواتین کی آہ وزاری کے ساتھ مراثنوں کا یہ دردناک نغمہ محلسرا میں گونج رہا تھا۔

"ہمتو بابل تورے کھونٹے کی گائے　　جدھر ہنکا دُ ہنک جائیں رے

ہمتو بابل تورے کھیتوں کی چڑیاں　　چرین چُگیں اُڑ جائیں رے"

وہ مکان جو چند روز سے عیش و نشاط کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس وقت اُس کی دیواروں سے افسُردگی برس رہی تھی۔ دلہن کے اعزا و اقارب ایک ایک کرکے اُس سے مل رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نجمہ اس دنیا میں موجود نہیں۔ اس کی میت پر بین ہو رہے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ہندوستان میں بیٹیوں کی شادی

نہیں ہوتی بلکہ زندہ لاش گھر سے نکلتی ہے۔

ایک طرف شوکت آرا بیگم کھڑی پچھاڑیں کھا رہی تھیں، دوسری جانب نجمہ کی خالہ سطوت آرا بیگم کا بُرا حال تھا۔ چچی، پھوپی، ممانی، رشتہ کی بھاوجیں، قرابت کی بہنیں، اسکول میں ساتھ پڑھی ہوئی لڑکیاں، بچپن کی سہیلیاں سب زار و قطار رو رہی تھیں۔ غریب نجمہ کا تو پوچھنا ہی کیا۔ ہندوستان کی شریف لڑکیوں کے لئے اگر شادی میں بولنا معیوب نہ ہوتا تو شاید وہ میکے سے اپنی رخصت کبھی گوارا نہ کرتی۔ بابل نگری کی کشش آئندہ زندگی کی تمام خوش گوار توقعات سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔

پینس ڈیوڑھی میں آئی۔ آہ وزاری کے شور میں دولہا دلہن کو اُٹھانے کے لئے تیار تھا کہ بی مُغلانی کو دفعتاً ایک بات یاد آئی اور انھوں نے شوکت آرا بیگم کے کان میں کہا کہ "بیگم دُلہن کو چوکی پر لے جاؤ۔ شاید حاجت ہو۔"

بڑی بی کا یہ خیال بہت دُور اندیشی پر مبنی تھا۔ نجمہ کو جب چند خواتین سہارا دیکر چوکی پر لے گئیں تو بی رحمین نے میکے کی دوسری مستورات کے سامنے اپنی زندگی کا یہ بیش قیمت تجربہ بیان کیا۔ کہنے لگیں "بیویوں میں نے دھوپ میں اپنا چونڈا سفید نہیں کیا ہے، خدا بخشے میری ایک سہیلی تھی روح افزا۔ گولہ گنج والے نواب کے محل میں داستان گو تھی۔ بیگم کو رات کے وقت کہانیاں سُناتی تھی۔ اُس کی لڑکی حیات افزا کی شادی ہوئی، بداگی کا وقت آیا تو نگوڑی سمجھ پر بجلی پڑے کسی کو اتنا خیال نہ ہوا کہ دلہن کو پیشاب پاخانے وغیرہ سے فارغ کرالے۔ دلہن بیچاری اپنے مُنہ سے کیا کہتی۔ بے زبان بُت بنی بیٹھی رہی اور دولھا نے اس کو اُٹھا کر سواری میں بٹھا دیا۔ غریب آدمی کی بچّی میکے سے ساتھ جانے والا کون تھا، اور اگر کوئی ساتھ میں ہوتا بھی تو کیا کر لیتا۔ باہر سے بارات آئی تھی، دن بھر کا خشکی کا سفر۔ تھوڑی دیر کے بعد دلہن کو پیشاب معلوم ہوا، غریب نے ضبط کیا اور دل پر پتھر رکھے بیٹھے رہی۔

ایک خاتون نے بڑی بی کو چھیڑنے کے لئے کہا۔ "واہ مُغلانی بی ایسے موقع پر ہم نہ ہوئے اپنی بینیس، ڈولی، اسکرم، تانگہ، یکہ جو کچھ بھی سمجھو اُسی پر سے چلا کر دولھا کو پکارتے"۔ او دولھا! او دولھا!! ہمیں گود میں اُتار کر پیشاب کرالے"۔

مُغلانی :۔ اے بیوی آپ کو وقت بے وقت کی ہنسی سوجھی ہے"۔

خاتون :۔ اور تم بات ہی ہنسی کی کہہ رہی ہو۔

مُغلانی :۔ بیوی میں قصّہ خوان تو نہیں ہوں، بلکہ قصّہ خوان کی بیٹی کی آپ بیتی سُنا رہی ہوں۔

دوسری خاتون :۔ بہر حال ہے تو کہانی۔ اے بی مغلانی! مثل جو مشہور ہے کہ خربزے کو دیکھ کر خربزہ رنگ پکڑتا ہے سو تم نے اپنی قصّہ خوان سہیلی کی دوستی میں داستان گوئی خوب سیکھ لی۔

بی مُغلانی :۔ اے بیویو! بات سنو! سب کے آگے بیٹیاں ہیں اور خدا سب کو خوشی کا دن دکھائے، کان میں پڑی ہوئی بات کبھی کام ہی دے جاتی ہے۔ ہاں میں کیا کہہ رہی تھی؟

حمیدہ :۔ واہ نانی اتنی جلدی بھول بھی گئیں۔

مُغلانی :۔ اے بیٹی! بڑھاپے کی یادداشت ہے۔

سرور جہاں :۔ تم ذرا دیر میں تو بات بھول گئیں پھر تمہیں پچاس برس پہلے کی سُنی ہوئی کہانی کس طرح یاد رہی ہوگی۔

مغلانی :۔ اے سنو تو! ہنسی کی بات نہیں، ہاں لڑکی کو پیشاب معلوم ہوا۔ کس سے کہے شرم کے مارے زانو بھی نہیں بدل سکتی تھی۔

حمیدہ :۔ واہ نانی! زانو بدلنا کیسا ہم تو ایسے موقع پر بارات کا رنگ بدل دیتے۔

مغلانی نے ہنس کر جواب دیا۔" اے بیٹی!! اب تو زمانے ہی کا رنگ بدل گیا ہے
دس اوپر دو بیسی برسوں کی بات ہے اور شرم نباہنے والیاں اب بھی شرم نباہتی ہیں
ان باتوں میں میری بات ادھوری رہ جائے گی۔ بیچاری حیات افزا نے بہت ضبط
کیا۔ ایک گھنٹہ۔ دو گھنٹہ۔ تین گھنٹہ۔ آخر غریب کہاں تک ضبط کرتی۔ انسان تھی
اُس کا پیشاب خطا ہوگیا۔ اے ہے پھر کیا تھا ساتھ میں جو چند دولھا والیاں بہلی
میں تھیں انھوں نے شور مچایا۔ جتنے مُنہ اتنی ہی باتیں۔ بارات رُک گئی۔ مرد اپنی
سواریوں سے اُتر کر دلہن کی بہلی کے پاس جمع ہو گئے۔ عورتوں نے شور مچایا:" اے
ہے ایسی بدتمیز لڑکی! اس نے محلوں میں یہی تعلیم پائی ہے۔ دلہن نہیں آفت کی
گھڑی ہے۔ اے دیکھو تو اس کے پیٹ میں شرارتیں بھری ہوئی ہیں"
" ابھی سے دیدے کی یہ دلیری، کچھ نہیں تو ساس کے اوپر پیشاب ہی کر دیا"
" کل تو یہ اُلٹے اُسترے سے ساس کا چونڈا ہی مونڈے گی"
" خدا ایسی بے شرم لڑکی سے بچائے"
غرضکہ سب اپنی اپنی بولیاں بول رہی تھیں اور دلہن سر جھکائے زار و قطار
رو رہی تھی، ساس کا تو پوچھنا ہی کیا بالکل جامہ سے باہر تھی۔ دو ایک سمجھدار مردوں نے
بات کو دبانے کی کوشش کی لیکن دولھا کی ماں اور نانی کسی طرح ایسی دلہن کو اپنے
ساتھ لے جانے یا اپنے یہاں رکھنے پر رضامند نہ ہوئیں کئی مرد بھی انہی عورتوں کی ہاں
میں ہاں ملا رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا بیوی کہ بے گناہ لڑکی اُسی وقت میکے لوٹا دی گئی اور
اس کی ساری عمر میکے میں بسر ہوئی۔

ممکن تھا کہ چند نو عمر خواتین بی مغلانی کی داستان پر تنقید شروع کرتیں کہ سامنے
سے عورتیں نجمہ کو لئے ہوئے آتی نظر آئیں۔ اہل محفل کی توجہ پھر دلہن کی جانب مبذول
ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دولہا نے دولہن کو فینس میں سوار کیا۔ جہیز کا سامان پہلے

سے باہر آچکا تھا۔ جہیز کا پوچھنا کیا۔ کون سی ایسی چیز تھی جو نواب سکندر جاہ نے اپنی بیٹی کو نہیں دی۔ دیکھنے والے عش عش کرتے تھے، ہزارہا روپیوں کی مالیت کے کپڑوں برتنوں، اور زیوروں، جانوروں اور لونڈیوں باندیوں کے علاوہ نواب صاحب نے ایک خوشنما کوٹھی اور دس ہزار روپے نقد بھی اپنی بیٹی کو جہیز میں دیئے۔ بارات جس دھوم دھام کے ساتھ آئی تھی اُسی تزک و احتشام کے ساتھ رخصت ہوئی۔ لکھنؤ سے کاکوری صرف چند میل کے فاصلہ پر ہے اس لئے نواب حشمت یار جنگ نے یہی فیصلہ کیا کہ ریل کے بجائے بارات اسی طرح آراستہ دولھا کے مکان واپس پہنچے۔

مغلانی کی لاکھ روپے کی بات

لیلائے شب پیشانی پر تاروں کی افشاں چھڑک کر کسی نئی نویلی دلہن کا نیا سہاگ دیکھنے کے لئے آ گئی تھی۔ سورج نے گنگا جمنی سہرے میں کسی دولھا کے چاند ایسے مکھڑے کی تابش دیکھ کر شرم سے اپنا منہ دامان اُفق میں چھپا لیا تھا۔ نواب حشمت یار جنگ اپنی بہو بیاہ کر کاکوری پہنچے۔ سارے قصبہ میں انتظام چراغاں تھا۔ ہر فرد بشر مسرّت سے نہال ہو رہا تھا۔ قدیم موروثی حویلی کے سامنے بارات رُکی۔ رشتہ کی بہنوں نے دموانے پر دلہن کو روکا۔ سعید کی ماں مارے خوشی کے جامہ میں پھولی نہیں سماتی تھیں۔ ہر ایک کو منہ مانگا نیگ دیا۔ مستورات دلہن کو اُتار کر گود میں اندر لے گئیں۔ مبارک سلامت کا شور بلند ہوا۔ مراثنوں نے گانا شروع کیا۔

"ہنس ہنس کر بال سنوار رے گھونگھٹ کھولے لال بنا،

اے اماں میرا ٹیکا دیکھ لبھایا ——— لال بنا۔"

بی مغلانی اپنی نجمہ کے ساتھ تھیں، نواب حشمت یار جنگ کی بیگم بھی وضعدار رئیس زادی تھیں۔ ان کو معلوم تھا کہ نواب سکندر جاہ کے یہاں بی رحیمن کا طوطی بولتا ہے۔ بڑی بی کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور معززمہمانوں کی صف میں ان کو جگہ دی گئی۔

بی مغلانی نواب حشمت یار جنگ کی بیگم کا محبت آمیز برتاؤ دیکھ کر دل ہی دل میں تعریف کر رہی تھیں اور خوش تھیں کہ میری نجمہ خدا کے فضل سے اچھے گھر بیاہ کر آئی ہے۔

ضروری رسمیں ختم ہوئیں۔ مہمان خواتین نے کھانا شروع کیا۔ نواب حشمت یار جنگ

کی بیگم نے اپنی بھتیجی خورشید جہاں کے کان میں جھک کر کچھ کہا۔ وہ "بہت اچھا" کہہ کر کمرے سے باہر گئی اور تھوڑی ہی دیر میں چند نوعمر لڑکیوں کو لے کر اندر واپس آئی بخمہ شرم سے گٹھری بنی ہوئی ایک گوشہ میں تقریباً سر بسجود بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ تو یہ کہو کہ ایک شریف خاتون نے دلہن کے سر کو اپنے زانو کا سہارا دے رکھا تھا۔ نوعمر لڑکیوں کے آجانے پر نواب حشمت یار جنگ کی بیوی انوری بیگم نے بی رحیمن سے کہا۔ "یہاں دلہن کو تکلیف ہو رہی ہے، اگر کہو تو علیحدہ کمرے میں پہنچا دوں ، بچی ہلکان ہو جائے گی"۔

بی مغلانی :۔ اب اس بچی کی ماں تو آپ ہی ہیں۔ آپ سے بڑھ کر اس کے آرام کا خیال کس کو ہو سکتا ہے۔

انوری بیگم :۔ میں نے اسی لئے چند نوعمر لڑکیوں کو بلا لیا ہے وہ دلہن کو تنہا کمرے میں پہنچا دیں گی۔ اور بُوا تم بھی ساتھ چلی جاؤ۔ اگر دلہن کو کسی بات کی تکلیف ہو تو تمھیں میری جان کی قسم ہے مجھے بتا دینا۔ شرم تو خیر ہندوستان کی سب ہی بیٹیوں کو ہوتی ہے لیکن تم بٹیا کو سمجھا دو کہ زیادہ تکلیف نہ اٹھائیں۔

مغلانی :۔ اللہ رکھے دلہن خود سمجھدار ہے، ہاں بیگم شرم تو ہونا ہی چاہیئے جب دیدوں کا پانی ڈھل گیا تو پھر بہو بیٹی میں رہا کیا۔ لیکن میں بچی کو سمجھا دوں گی کہ علیحدہ کمرے میں آرام سے بیٹھے۔

انوری بیگم کا اشارہ پاکر خورشید جہاں اور دوسری لڑکیوں نے نجمہ کو سہارا دیکر اُٹھایا اور کسی نہ کسی طرح کچھ گود میں کچھ سہارے سے دوسرے کمرے تک لے گئیں۔ بڑی بی نے بھی ایک ہاتھ میں اپنی پوٹلی سنبھالی اور دوسرے ہاتھ میں پاندان، اور دلہن کے پیچھے پیچھے چلیں۔ میکے کی پرانی خادمائیں بھی ہمراہ تھیں۔

دوسرے کمرے میں پہنچکر جب بوڑھوں کی نظر بچی تو نوعمر لڑکیوں نے دلہن کا منہ

دیکھنے کی کوشش کی کسی نے گھونگھٹ کے اندر منہ ڈال دیا۔ کسی نے دوپٹہ سر پہ سے سرکایا بعض نے چہرے پر سے دلہن کے دونوں ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی۔

نجمہ مارے شرم کے اور زمین میں گڑی ہی جاتی تھی۔ بالکل مردہ بدستِ زندہ کا معاملہ تھا۔ لڑکیاں تھیں کہ کسی طرح دم ہی نہ لیتی تھیں۔ بُوا رحیمن کو یہ بات ناگوار ہو رہی تھی انھوں نے ایک آدھ مرتبہ دبی زبان سے لڑکیوں کو منع بھی کیا۔ لیکن نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سُنتا ہے، بالآخر بے زبان دلہن پر شریر لڑکیوں کی یورش دیکھکر خورشید جہاں نے کہا:" یہ کیا شرارت ہے۔ دلہن کو آرام سے بیٹھنے دو۔"

ایک لڑکی نے چیخ کر جواب دیا:" اس میں شرارت کی کیا بات ہے، ہم تو صرف دلہن کا مُنہ دیکھتے ہیں۔"

خورشید :۔ اس کی اضطرابی کیا ہے مُنہ بھی دیکھ ہی لو گی۔

"آج نہیں تو اور کب مُنہ دیکھیں گے۔"

خورشید :۔ جب دلہن کی شرم ٹوٹے، گھر میں چلے پھر تو مُنہ دیکھ لینا۔

" واہ، یہ تو خوب رہی، اتنے دنوں ہم انتظار ہی میں سوکھیں!"

خورشید :۔ دلہن کو پریشان کرنا یہ بہت بُرا طریقہ ہے۔ تمھیں اتنا خیال نہیں کہ ایک لڑکی بالکل غیر جگہ آئی ہے، قدرتی طور پر اس میں شرم ہے لیکن دو چار ہی دن میں ہم غیر اپنوں سے بڑھ کر ہو جائیں گے۔ پھر دلہن کو شرم باقی نہ رہے گی۔ ہم سے اسی طرح ہنسے بولیں گی جس طرح ہم تم آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔

" واہ! قربان اس شرم کے"۔

لڑکیوں نے پھر شرم سے نیوڑھائی ہوئی نجمہ پر یورش کی۔ کسی نے گھونگھٹ اُلٹا، کسی نے سر اُٹھایا، کسی نے ہاتھوں کے ساتھ زور آزمائی شروع کی۔ خورشید جہاں کو اب ضبط کی تاب نہ رہی۔ انھوں نے شریر لڑکیوں کو ڈانٹ کر کہا:" تم لوگ نہیں

مانتی ہو بیکار دلہن کو پریشان کر رہی ہو"۔

"ہم تو ہرگز پریشان نہیں کر رہے ہیں"۔

خورشید جہاں :۔ اور پریشان کرنا کسے کہتے ہیں۔

"ہم تو دلہن کو اپنی محبت دکھا رہے ہیں"۔

خورشید :۔ واہ! قربان اِس محبت کے۔ دلہن کی تو جان پر بنی ہے اور تمھاری محبت ہو رہی ہے۔ تمھیں اتنا تو خیال چاہیئے کہ دلہن اس وقت اپنے والدین سے جُدا ہو کر ایک غیر جگہ آئی ہے جس سے پہلے وہ واقف بھی نہ تھی۔ اس کو اپنے عزیزوں اپنی سہیلیوں اور اپنے گھر بار کے چھُٹنے کا صدمہ ہے، ریت رسموں سے وہ ہلکان ہو رہی ہے، اتنی مسافت طے کر کے آئی ہے، اس وقت اس کو آرام اور تشفی کی ضرورت ہے یا تمھاری نرالی محبت کی؟

"کیا ہم لوگ تشفی نہیں دے رہے ہیں؟"

خورشید :۔ نہیں، یہ تو اس کو پریشانی کے عالم میں اور پریشان کرنا ہے تمھاری سچی تشفی تو یہ ہے کہ تم اس کو آرام سے بیٹھنے دو۔ ایسی کوئی بات نہ کرو جو اس وقت دلہن کے خلاف مزاج ہو۔

"ہمیں کیا معلوم کہ کون سی بات دلہن کے خلافِ مزاج ہے اور کون سی نہیں؟"

خورشید :۔ اب آئیں راہِ راست پر۔ اس وقت دلہن کے خلافِ مزاج سب سے زیادہ یہ بات ہے کہ کوئی لڑکی یا عورت اُس کو مُنہ کھولنے، سر اُٹھا کر بیٹھنے یا بات چیت کے لئے مجبور کرے۔ دلہن جس حال میں ہے اُسی حال میں اس کو رہنے دو۔ ہاں صرف اس بات کا خیال رکھو کہ ضرورت سے زیادہ شرم دلہن کیلئے موجبِ تکلیف نہ ثابت ہو۔ مثلاً وہ اگر سر زیادہ جھکائے ہوئے ہے تو اُس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھ لو، اُس کے ساتھ کی خادماؤں سے کہدو کہ وہ دلہن کی ضروریات دریافت

کرتی رہیں۔ اگر تم میری رائے پر عمل کرو گی تو مجھے یقین ہے کہ دلہن کو ایک ہی شب میں تمھاری محبت پر اعتماد ہو جائے گا۔ جب تم اس کو آرام دو گی تو وہ تم کو اپنا رفیق و دل سوز سمجھے گی۔

خورشید جہاں نے کچھ اس سلیقہ شعاری سے شریر لڑکیوں کو سمجھایا کہ وہ فوراً مان گئیں اور انھوں نے پھر نجمہ کو پریشان نہیں کیا۔ نجمہ کی آنکھیں اُس وقت ضرور بند تھیں لیکن کان تو بند نہ تھے، وہ خورشید جہاں کی دلپذیر گفتگو سن رہی تھی اور اپنے دل میں خورشید جہاں کی محبت محسوس کر رہی تھی۔

لڑکیاں دس پانچ منٹ تک تو دلہن کے پاس بیٹھی رہیں، اس کے بعد خورشید جہاں نے کہا: "اب آؤ ہم سب باہر چلیں۔ دلہن کے پاس اُن کے میکے کی عورتیں رہیں گی۔"

لڑکیوں نے پوچھا: "یہ کیوں؟"

خورشید جہاں نے چپکے سے لڑکیوں کے کان میں کہا: "شاید دلہن کو کسی بات کی ضرورت ہو۔ شرم کی وجہ سے ہم لوگوں سے تو کہنے سے رہیں اپنی خادماؤں سے کہہ دیں گی۔"

یہ بات بھی لڑکیاں سمجھ گئیں اور خورشید جہاں کے ساتھ باہر چلی گئیں۔

کمرے میں نجمہ کے پاس اب بُوا رحیمن تھیں یا میکے کی خادمائیں۔ بُوا رحیمن نے اُٹھ کر کمرے کا دروازہ بند کیا اور کہا: "بیٹی! اب کوئی نہیں ہے، سنبھل کر بیٹھ جاؤ۔" نجمہ کی جان میں جان آئی۔ ایک خادمہ نے چہرے پر سے گھونگھٹ سرکایا بی رحیمن نے چٹ چٹ بلائیں لیں۔ نجمہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر پُرنم نگاہوں سے اپنے نئے کمرے کو دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

مغلانی: بیٹی خدا کے لئے اب زیادہ رنج نہ کرو۔ دیکھو تو تمھارا کیا حال ہو رہا ہے

خدا چاہے تو صبح ہی تمھیں لے کر نخلئو چلوں گی۔

نجمہ :۔ نانی! نہیں معلوم اس وقت اماں جان کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔

مغلانی :۔ اے بیٹی! گزر کیا رہی ہوگی۔ اللہ میاں کی بارگاہ میں شکر کے سجدے ادا کر رہی ہوں گی کہ اُس نے بڑے فرض سے ہلکا کیا۔ نجمہ بیٹی! خوش نصیب ہیں وہ ماں باپ جو اپنی اولاد کا سہرا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور خوش نصیب ہے وہ لڑکی جو ماں باپ کی سلامتی میں عزت آبرو کے ساتھ اپنے گھر کی ہو جائے۔

نجمہ :۔ تو کیا آج میں اپنے گھر کی ہوگئی ـــ میرا گھر یہی ہے؟ ـــ نانی! میں بچّہ نہیں۔ سب کچھ سمجھتی ہوں، لیکن ـــ

ع :۔ اسے کیا کروں کہ دل کو نہیں اعتبار ہوتا۔

نجمہ نے یہ فقرہ کچھ ایسے درد سے کہا کہ بی رحیمن کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ نجمہ کو اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگیں "بیٹی! دنیا کا یہی دستور ہے اور ماشاءاللہ تم تو خدا کا شکر ادا کرو، نواب زادی ہو، اور نوابوں کے یہاں بیاہ کر آئیں۔ خدا کے فضل سے حدّی ہزار آدمی تمھارے یہاں پلتے ہیں، روپیہ پیسہ ہاتھ کا میل ہے۔ گھر میں ایک چھوڑ دو دو موٹریں۔ چاہو تو دن میں دس مرتبہ کاکوری سے نخلئو جاؤ، اور نخلئو سے کاکوری آؤ۔ بھلا ان غریبوں سے تو پوچھو جو دنیا کی شرم کے لئے اپنی اولاد کو لاکھوں کوس پہ بیاہ دیتے ہیں اور خیر خبر تک کے لئے نگوڑے ترس جاتے ہیں ـــ بیٹی! پریشان ہونے کی جگہ تم خدا کا شکر ادا کرو، اس گھر کو تم اپنا اصلی گھر سمجھو۔ ساس کو ماں کی جگہ اور بیٹی! ـــ سُسر کو باپ کی جگہ سمجھو، اپنے دولھا کی اطاعت کرو۔ اللہ رکھے مسئلے مسائل جانتی ہو، تمھیں معلوم ہے کہ اللہ میاں نے شوہر کا کیا درجہ رکھا ہے بیٹی نجمہ! میری اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا، لاکھوں روپے کی بات ہے اور میں نے اتنی عمر میں بس یہی ایک بات سیکھی ہے کہ جو لڑکی اپنے شوہر کی نہیں وہ دنیا میں کسی

کی نہیں ہو سکتی۔ جس نے شوہر کی اطاعت نہ کی اُس سے خدا کی اطاعت بھی نہ ہو گی۔

نجمہ بیٹی! تم نے خود ہزاروں کتابیں پڑھی ہیں! اچھی اچھی باتیں سیکھی ہیں، جو کچھ مجھ کو بھی بُرا بھلا معلوم تھا تم کو بتا دیا۔ اگر تم ان باتوں پر عمل کرو گی تو مجھے یقین ہے کہ اللہ میاں تمھیں ہمیشہ خوش و خرّم رکھیں گے اور تمھارا اقبال ہمیشہ بلند رہے گا۔"

بی مغلانی کی تقریر ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ بُوا رحمین نے اُٹھ کر دروازہ کھولا۔ انوری بیگم نے کچھ ان کے کان میں کہا۔ بڑی بی پھر نجمہ کے پاس آئیں اور کہنے لگیں"۔ بیٹی! اب تمھارا دولھا آنے والا ہے۔ سب شریف لڑکیوں کے لئے یہ ساعت کٹھن ہوتی ہے۔ بیٹی! بہت سمجھداری سے کام کرنا۔ خبردار ایسی کوئی بات نہ ہو جس سے شوہر کے دل پر میل آئے اور نہ کوئی ایسی بات ہو جس سے شرم و حیا پر حرف آئے زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ رکھے تم خود عقلمند ہو۔ اچھا بیٹی! میں اب جاتی ہوں۔

بڑی بی نے نجمہ کو اپنی چھاتی سے لگا کر پیار کیا، بلائیں لیں اور نجمہ کو قرینے کے ساتھ مسہری پر لٹا کر دوسری خادماؤں کے ساتھ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

اَلّٰڑھ نازنین خلوت کدۂ عیش میں

نجمہ کا کلیجہ دھک دھک کر رہا تھا، زبان سوکھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر مسّی کی دھڑی کے ساتھ ہی پپڑیاں بھی جم رہی تھیں، کان کسی آہٹ پر تھے۔ مگر ابھی تو کانوں میں حرکتِ قلب کی آواز آ رہی تھی۔

نجمہ دروازے کی جانب پُشت کئے دم بخود لیٹی ہوئی آنے والی ساعت کا دھڑکتے ہوئے دل سے انتظار کر رہی تھی۔ دفعتاً کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ نجمہ سنّاٹے میں آگئی۔ کمرے کا دروازہ کھُلا اور پھر بند ہو گیا۔ نجمہ کے کانوں میں اب اس کے دل کی حرکت کے ساتھ کسی کے چلنے کی آہٹ بھی معلوم ہو رہی تھی۔

قدموں کی آہٹ مسہری کے پاس آکر رُکی۔ کسی کی پُر محبت آواز کانوں میں آئی۔

"اگر اجازت دیجئے تو میں بھی مسہری پر بیٹھ جاؤں؟"

نجمہ بھلا کیا جواب دیتی۔ اُسی طرح دم بخود لیٹی رہی۔ نیچے کی سانس نیچے تھی اور اوپر کی اوپر۔ دفعتاً معلوم ہوا کہ نووارد ہستی مسہری پر خفیف ہنسی کے ساتھ بیٹھ گئی اور پھر کانوں میں آواز آئی:۔ "معاف فرمائیے گا، ہمارے ملک میں خاموشی کے معنی رضامندی کے لئے جاتے ہیں۔"

نجمہ کو ایک عجیب قسم کی سنسنی محسوس ہوئی۔ کسی کا ہاتھ اس کے شانے پر تھا۔ چند سکنڈ کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے برابر کوئی شخص لیٹ گیا اور اسی دوشالے کا ایک گوشہ اُٹھا کر اپنے اوپر بھی ڈال لیا۔ جس میں نجمہ گٹھری بنی ہوئی ملفوف تھی۔

سعید نے دوشالہ نجمہ کے سر سے سرکایا، اور اس کی خوبصورت زلفوں پر

ہاتھ پھیر کر کہنے لگا "آپ اس قدر تکلیف نہ اُٹھائیے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ شرما رہی ہیں، اور قدرتی طور پر شرمانا ہی چاہیئے لیکن میرا آپ کا ساتھ تمام زندگی ہے۔ اس قدر شرم بھی مناسب نہیں جس سے آپ کو تکلیف ہو۔"

نجمہ کے نازک لبوں پر شرم و حیا کی مہر تھی۔ سعید کا ہاتھ نجمہ کی جانب بڑھا اور چہرے پر سے اُس کے ہاتھ نرمی کے ساتھ سرکاتے ہوئے کہا "اچھا مجھ سے بات نہ کیجئے صرف صورت تو دکھا دیجے۔ آخر کب تک اشتیاق میں رکھیئے گا۔"

نجمہ اپنی کئی سہیلیوں سے شبِ عروسی کی ہولناک داستانیں سُن کر لرزہ براندام تھی لیکن سعید کی اس شیریں گفتگو اور محبّت آمیز رویہ کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی اور اس نے طے کر لیا کہ شوہر سے زور آزمائی کرنے کے بجائے وہ اپنے جسم کو بالکل اُس کے حوالے کر دے۔ چنانچہ سعید نے جب اُس کے ہاتھ چہرے پر سے ہٹائے تو اس نے کسی طرح کی مزاحمت نہ کی۔ سعید نے بیخودی میں آگے جُھک کر نجمہ ——— خوبصورت نجمہ کا مُنہ چُوم لیا ——————— محضرِ محبّت پر یہ پہلی مہرِ توثیق تھی ———!

نجمہ کے عارضِ گلگوں کے بوسے اس کے والدین نے بھی لیے تھے، اور دوسری بزرگ خواتین نے بھی۔ بی مغلانی تو روز ہی اس کا مُنہ چومتی تھیں لیکن ——— اس بوسے کی نئی لذّت ——— اسے کچھ نجمہ ہی کے دل سے پوچھا چاہیئے ———!!
یہ بوسہ نہ تھا ——— بلکہ اُن پوشیدہ جذبات کو جگانے کے لیے جن سے نجمہ آج تک واقف بھی نہ تھی ——— پانی کا سرد چھینٹا تھا۔ نجمہ کو اپنے خوبصورت جسم میں ایک کیف بیز لرزش محسوس ہوئی۔ دل تو اب بھی دھڑک رہا تھا، لیکن اس دھڑکن میں اب ایک نیا سرور تھا۔ سعید نے آہستہ سے نجمہ کا مُنہ اپنی جانب کیا۔ نجمہ کی ظاہری آنکھیں تو بند تھیں لیکن دل کی آنکھیں کُھلی ہوئی تھیں، اُس نے دیکھا

اور دل کی آنکھوں سے دیکھا کہ سعید کے چہرے پر انوارِ محبت کی بہار آفریں بارش ہے مشتاق ہونٹ بار بار لب لعلیں سے مس ہو کر نجمہ کے دل کو ایک نئے بادۂ پُر سرور سے چھلکا دیتے تھے۔ نجمہ محسوس کر رہی تھی کہ اس وقت اُس کے سینہ میں نت نئی تمنائیں انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہی ہیں۔ اسے حیرت تھی کہ یہ معاملہ کیا ہے لیکن ایک نئی لذت کا احساس اسے زیادہ متحیّر بھی نہ ہونے دیتا تھا۔

سعید نے اس کی خوبصورت زلفوں کو اپنی پُرشوق انگلیوں سے سنوار کر کہا۔ "آپ کو زیور کی وجہ سے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اوہو ــــ چوٹی کسقدر سخت گُندھی ہوئی ہے ــــ پور پور میں چھلّے ــــ بھلا آپ کو کس طرح آرام ملے ــــ افسوس ہمارے ملک میں دلہنوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے"!

اس کے بعد نجمہ کے جسم کا دوبارہ جائزہ لے کر کہا " یہ لیجئے! ایک نہیں دُہرے دُہرے زیور آپ کے کان تو بالکل دونا ہوئے جا رہے ہیں۔ اس جھُومر کی وجہ سے تو آپ کو یقیناً بہت تکلیف ہو رہی ہوگی، ہاتھوں میں پہنچی، کنگن، کڑے، چوہے دتّیاں غرضکہ الا بلا نہ جانے کتنے زیور پہنا دیئے ہیں۔ انگلی کی ایک ایک پور جکڑی ہوئی ہے"!

اس کے بعد نجمہ کے عارضِ زیبا پر محبت کی ایک اور مہر ثبت کر کے کہا " اگر اجازت دیجئے تو آپ کا یہ زیور میں بڑھا دوں۔ آرام سے سوئیے۔ صبح پہن لیجئے گا"!

نجمہ جواب تو کیا دیتی۔ اُس نے شرما کر اپنا بازو بند آنکھوں پر رکھ لیا۔ سعید کے لئے اتنا اشارہ کافی تھا۔ انھوں نے ایک ایک زیور بڑھانا شروع کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نجمہ کو زیوروں کی وجہ سے بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ سعید جس قدر زیوروں کو جسم سے علیحدہ کرتے جاتے تھے۔ نجمہ کی تکلیف اسی قدر کم ہوتی جاتی تھی۔ ایک آدھ ہلکی چیز کے علاوہ اب اُس کے جسم پر کوئی زیور نہیں رہا۔ اور وہ راحت محسوس کر رہی تھی،

سعید نے اُس کی چوٹی بھی ڈھیلی کر دی۔ دولھا کا یہ سلوک نجمہ کے لئے اس وقت کسی احسان سے کم نہ تھا۔ وہ اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی کہ سعید کی محبت بتدریج توسیع پذیر ہوتی جارہی ہے۔ شب عروسی کا خوفناک تصوّر اس کے دماغ سے آہستہ آہستہ زائل ہو رہا تھا۔ اور سعید کی صورت میں اب اسے ایک نیا دلسوز مل رہا تھا۔ سعید نے اپنی دلہن کا سارا زیور بڑھا کر پوچھا "کہئے آپ کو کچھ آرام ملا"۔ نجمہ نے اس سوال کا جواب تو کچھ نہ دیا لیکن اس کی وہ آنکھیں جو دیر سے بند تھیں عالم محویت میں خود بخود کھُل گئیں۔

سعید کی مشتاق نگاہوں سے دوچار ہوئیں اور پھر بند ہو گئیں۔

شب عروسی میں ایک دولھا کے لئے اس سے بڑھ کر خوش نصیبی اور کیا ہو سکتی ہے! سعید نے بے ساختہ نجمہ کو اپنے آغوشِ شوق میں لے کر اس کے لب و عارض سے اپنے پُرشوق ہونٹوں کو دعوتِ کیف دینا شروع کی۔ نجمہ کا دل اب بار بار یہ چاہتا تھا کہ وہ بھی اپنے بازو سعید کی گردن میں حمائل کر دے۔ لیکن شرم دامن گیر ہوتی تھی۔

سعید نے پوچھا۔ "آخر آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتی ہیں؟"

نجمہ اپنے دل کے ہاتھوں اب اس سوال کا جواب دینے کے لئے مجبور ہو رہی تھی، چاہتی تھی کہ سعید سے کچھ بات کرے لیکن اپنی سہیلیوں کا پڑھایا ہوا سبق یاد تھا۔ اس کی زبان سے صرف اس قدر نکلا۔

"پانی"

سعید نے نجمہ کے ہونٹوں کو چُوم کر کہا۔ "بارے خدا کا شکر ہے آپ نے مجھ سے بات تو کی۔ لیکن میرے خیال میں اگر آپ پانی پینے کے بجائے ایک گلاس دودھ پی لیں تو مناسب ہے"۔ نجمہ انکار نہ کر سکی۔ سعید لپک کر اُٹھے کمرے میں دودھ رکھا

ہوا تھا۔ ایک گلاس میں بھر کر نجمہ کو سہارے سے اُٹھایا، اور گلاس اُس کے نازک لبوں سے لگا دیا۔

کئی دن کے رونے سے نجمہ بہت مضمحل ہو رہی تھی۔ رنج وغم کی حالت میں کھایا کس سے جاتا ہے۔ میکے سے رخصت کے وقت اس کی ماں نے زبردستی دو چار نوالے کھِلا دیئے تھے۔ باقی تمام دن یوں ہی گزرا تھا۔ اور اسے بھوک معلوم بھی نہ ہوتی تھی۔ لیکن اس دودھ سے لبریز گلاس کو دیکھ کر اس کو پینے کی خواہش ہوئی اور اس نے بغیر کسی انکار کے دودھ پینا شروع کیا۔ اس وقت نجمہ کا ہاتھ خود بخود سعید کے شانے تک پہنچ گیا تھا۔ سعید نے کلّی کے لئے پانی اور مُنہ پونچھنے کے لئے تولیہ دیا۔ نجمہ دودھ پی کر پھر لیٹ رہی۔ سعید نے خاص دان سے پان کی گلوری نکال کر پیش کی۔ نجمہ نے اپنے ہاتھ سے پان کھالیا۔ وہ خاموش تو اب بھی تھی۔ لیکن اس کی آنکھیں اب بند نہ تھیں۔ کبھی کن انکھیوں سے اپنے رفیق زندگی کی طرف دیکھتی تھی اور کبھی دیوار کی تصویروں کی جانب۔

سعید پان کھا کر پھر نجمہ کے پہلو میں لیٹ رہے نجمہ نے کوئی مزاحمت نہ کی، دونوں کے جسم پر اب ایک ہی دوشالہ تھا اور سعید کا بازو نجمہ کے سر کا تکیہ بنا ہوا تھا سعید نے پوچھا "راستہ میں آپ کو زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

نجمہ نے شرمائی ہوئی آواز سے جواب دیا "نہیں"

سعید "مجھے بار بار خیال ہوتا تھا کہ آپ کو تکلیف ہو رہی ہوگی۔

نجمہ نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیا "آپ کی عنایت!"

سعید نے نازک لبوں کا بوسہ لے کر کہا "عنایت کیسی؟ یہ تو میرا فرض ہے۔ میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہی ہو سکتا ہے کہ آپ کو زائد سے زائد راحت ملے"

یہ کہہ کر سعید نے نجمہ کو آہستگی سے اپنی جانب گھسیٹا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے شانے پر رکھ لیا۔ نجمہ نے اس والہانہ انداز ہم آغوشی پر کوئی مزاحمت نہ کی۔ ممکن ہے کہ ہندوستانی شرم وحیا دامنگیر ہو رہی ہو ورنہ اُس کے مضطرب دل کا تقاضہ تو یہی تھا کہ وہ خود سعید سے ہم آغوش ہو جائے۔ سعید نے مہ لقا نجمہ کو اپنے کنارِ شوق میں زور سے دبا لیا۔ اسیر تمنائیں اب قفسِ دل سے باہر نکلنے کے لئے تڑپ رہی تھیں، آرزوؤں کا ہجوم تھا۔ سوئے ہوئے جذبات مدت کے بعد یا یوں کہنا چاہیئے کہ زندگی میں پہلی مرتبہ انگڑائیاں لے کر بیدار ہو رہے تھے۔ نگاہوں کے سامنے وہ بہار آفریں گلشن لہلہا رہا تھا جس کے پھولوں کی ایک ایک پنکھڑی کیف وسرور کی رنگین دنیا تھی۔

شرم وحیا کی زنجیریں ایک ایک کر کے تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ رہی تھیں ہر بنِ مو لذت اور مستی سے لبریز ہو رہا تھا جسمانی اتصال نے بجلیاں دوڑا دی تھیں۔ بوسوں کے ساغر میں محبت کا بادۂ گلرنگ چھلک رہا تھا۔

نجمہ کے جسمِ رعنا سے دستِ پُرشوق کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ وہ انگلیاں جو نجمہ کی بکھری ہوئی زلفوں کے لئے شانے کا کام دے رہی تھیں، اب بتدریج نیچے کی جانب مائل ہوئیں اور سیب زنخداں، مینائے گلو، اور سینہ کے آئینہ کا جائزہ لیتی ہوئی نخل شباب کے اثمارِ رنگیں پر آ کر رُکیں۔

نجمہ کے تمام جسم میں بجلی سی دوڑ گئی۔ ایک لطیف لرزش پیدا ہوئی —— وہ جھجکی، سمٹی، چاہا کہ سعید کے شوخ ہاتھوں کو اثمارِ رنگیں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ سے روکے لیکن ایک نئی تحیر خیز لذت کا احساس خود نجمہ کے ہاتھوں کے لئے ہتھکڑی بن گیا تھا۔ وہ سعید کو روکنا چاہتی تھی، مگر روک نہ سکتی تھی۔ اس کی شرم وحیا کا اصرار تھا کہ وہ پھر دوشالے میں سر سے پاؤں تک ملفوف ہو جائے لیکن دل کی

گُدگُدیاں اس سے زیادہ محبت اور جوش کی خواستگار تھیں۔

نجمہ اپنی زندگی میں ایک نئے لطف سے آشنا ہوئی تھی۔ اگرچہ اسے پتہ نہ تھا کہ ان کیف ریزیوں کا سرچشمہ کہاں ہے اور یہ ارتباطِ جسمانی اس قدر پُر کیف کیوں ثابت ہو رہا ہے، اس کا دل بے اختیار چاہتا تھا کہ اپنی پوشیدہ تمناؤں کے پھولوں سے ہار گوندھ کر سعید کے گلے میں ڈال دے، اور اپنی محبت کو بادۂ رنگین بنا کر اس کے ساغرِ شوق میں جذب کر دے۔

سعید کی شوخ انگلیاں نخلِ شباب کے اثمارِ رنگیں سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی اور نیچے کی جانب مائل ہوئیں۔ انگلیاں اب اس مقام پر پہنچیں جس کا تصوّر بھی شریف لڑکیوں کے ذہن میں کبھی نہیں آ سکتا۔ نجمہ کے تمام جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ دل کی حرکت بڑھ گئی۔ شرما کر اپنا ہاتھ سعید کے ہاتھ پر رکھ دیا، اور معنی خیز ملتمس نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

شمعِ حسن کے ریشمی فانوس سے چھیڑ چھاڑ —— یہ چیز تو کبھی نجمہ کے تصوّر میں بھی نہ آئی تھی۔ سعید نے عالمِ کیف میں مسکرا کر اپنے ہاتھوں کو اور زیادہ گستاخ بننے دیا اور ریشمی فانوس شمعِ حسن سے علیحدہ تھا۔ شمعِ حسن کی شباب پرور روشنی نے سعید کی نگاہوں کو اور بھی خیرہ کر دیا۔ وہ اب اُس دنیا میں تھا جہاں ہر طرف عیش و نشاط کے نغمے فردوس گوش بنتے ہیں۔

نجمہ نے گھبرا کر کہا: "آپ یہ کیا کرتے ہیں؟"

سعید نے فرطِ جوش میں نجمہ کے سُرخ لبوں کو نیلا کر کے جواب دیا: "پیاری قدرت کے ایک زبردست قانون کی تعمیل کرتا ہوں اور اپنی محبت کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا ہوں؟"

دستِ پُرشوق کی گستاخیاں کچھ اور بڑھیں، بادۂ شباب کا نشہ اور تیز ہوا

نجمہ کی زبان سے نکلا: "نہیں"۔

سعید نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میری جان! میری یہ حرکت کچھ نئی نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی کی بسم اللہ اسی سے ہوتی ہے"۔

نجمہ:۔ کیا سب یہی کرتے ہیں؟

سعیدہ:۔ "ہاں، میاں بیوی کے رشتہ کے قیام کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا ثبوت یہی ہے"۔

نجمہ:۔ میں آپ کی اطاعت سے باہر نہیں لیکن ــــــ

سعید:۔ "میری محبوبہ! کچھ تم کو شرم ہے اور کچھ خوف۔ لاؤ پہلے میں تم کو زندگی کے اس ایک اہم ترین راز سے مطلع کر دوں۔

نجمہ نے شرما کر اپنا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا۔ سعید نے اس کے ہاتھوں کو ہٹاتے ہوئے کہا: "ڈرو نہیں جب میں تم کو اس حقیقت سے آگاہ کر دوں گا۔ تو تمہارا خوف خود بخود رفع ہو جائے گا۔ میں تمہارے باغِ حسن کا جائز گلچیں ہوں۔ تمہارے شباب کی دولت میری ملکیت ہے۔ میں اس سے جب چاہوں متمتع ہو سکتا ہوں۔ لیکن نہیں شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ شوہر اپنی شریکِ زندگی کے جذبات کا احترام کرے۔ چونکہ تم ابھی اس راز سے بالکل ناآشنا ہو۔ اس لئے میرا فرض ہے کہ تم کو ان پوشیدہ رازوں سے مطلع کر دوں۔ اس کے بعد ــــ

سعید نے انتہائی جوش کے ساتھ نجمہ کو اپنے آغوشِ شوق میں لے کر کہا۔

"تم خود اپنے حسن و شباب کی کلیاں میرے دامن میں بکھیر دو گی"۔

نجمہ کی زبان سے صرف اس قدر نکلا: "مجھے کیا معلوم"۔

سعید نے کہا کہ یہ تم کو معلوم ہی ہے کہ عورت اور مرد کے جسم میں فرق ہوتا ہے چونکہ نسل انسانی کی افزائش عورت اور مرد کے جسمانی اتصال سے ہوتی ہے

اس لئے قدرت نے عورت اور مرد کو کچھ پوشیدہ جذبات عطا کئے ہیں جو منزل شباب میں قدم رکھنے کے بعد بیدار ہوتے ہیں۔ یہ جذبات کیا ہیں؟ مجھ سے نہ پوچھو، اس وقت خود اپنے دل سے پوچھو ــــ

مرد چاہتا ہے کہ کسی پیکرِ نسوانی کے بادۂ محبت سے اپنی روح کو تسکین دے، اور عورت کسی مرد کے صدفِ محبت میں قطرہ کی طرح گم ہو کر دُرِ شہوار بننا چاہتی ہے۔ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی آتشِ شوق بھڑکتی ہے۔ مرد کو عورت اور عورت کو مرد کے اتصالِ جسمانی سے عجیب و غریب لذت محسوس ہوتی ہے جس سے شاید ــــ

سعید نے نجمہ کے لب لعلیں کو چوم کر کہا: "آج تم بھی کسی حد تک واقف ہو گئی ہو گی۔"

نجمہ نے شرما کر آنکھیں بند کر لیں۔

سعید نے کہا:" زن و شوہر فرطِ محبت میں ایک دوسرے سے ہم آغوش ہوتے ہیں۔ دونوں کا جسمانی اتصال رگ و پے میں بجلی کی لہریں دوڑا دیتا ہے۔ پوشیدہ جذبات میں ہیجانِ عظیم برپا ہو جاتا ہے۔ سوتی ہوئی تمنائیں حجرۂ دل سے باہر نکلنے کے لئے تڑپتی ہیں۔ شراب محبت کا نشہ بہت تند و تیز ہو جاتا ہے۔ ہمکناریاں اور بوسہ رُبائیاں مشتعل جذبات رنگیں کو تسکین دینے کے لئے کافی نہیں ہوتیں۔ بادۂ شباب کے دونوں متوالے اپنی مضطرب روحوں کی تشنگی شوق فرو کرنے کے لئے ایک دوسرا قدرتی ذریعہ اختیار کرتے ہیں ــــ اور وہ ذریعہ کیا ہے ــ"

سعید نے پوری قوت کے ساتھ نجمہ کو اپنی آغوش میں دبا لیا۔ لب و دہن کے ساغر سے بوسوں کی پُر کیف شراب چکھی اور محویت کے عالم میں اپنے شوخ ہاتھوں کو نجمہ کے خوبصورت جسم سے چھیڑ چھاڑ کی دعوت دیکر کہا ــ" وہ پاک قدرتی ذریعہ یہ ہے کہ طالبانِ شوق اپنی جُدا گانہ روحوں کو ایک زنجیرِ محبت میں جکڑ دینے کے بعد اعضائے جسم کے باہمی اختلاف سے فائدہ اُٹھا کر اپنے جسموں کو بھی ایک

کر دیتے ہیں۔"

سعید نے مسکرا کر پوچھا "سمجھیں یا نہیں؟"

نجمہ شرمائی، لیکن اس کے چہرہ پر اس وقت دلفریب تبسم تھا۔

سعید:۔ خداوند عالم نے عورت اور مرد کے پوشیدہ اعضائے جسم کو ایک دوسرے سے مختلف اسی لئے بنایا ہے کہ وفور شوق و محبت میں دونوں اپنے جسموں کو ایک کر سکیں اور دوئی کا پردہ درمیان سے اٹھ جائے۔ پیاری نجمہ! تم سمجھ سکتی ہو کہ جب دوئی کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا۔ تم سعید بن گئیں اور سعید نجمہ بن گیا تو پھر شرم کہاں باقی رہی۔ تم غسل خانہ میں جاتی ہو تو کیا اُس وقت نہاتے ہوئے تمہاری نظر اپنے پوشیدہ عضوِ جسم پر نہیں پڑتی؟ کیا تم اپنے جسم کو دیکھ کر شرماتی ہو؟ کیا میں انسانی ضرورتوں کے وقت بے ستر نہیں ہوتا؟ اور کیا اپنے عریاں جسم کو دیکھ کر میں شرماتا ہوں؟ شرم تو دوسرے سے کی جاتی ہے۔ نہ کسی غیر کا پوشیدہ جسم دیکھا جاتا ہے، نہ اپنا جسم کسی غیر کو دکھایا جاتا ہے لیکن جب زن و شوہر کے درمیان سے دوئی اٹھ گئی دونوں کی ہستیاں ایک دوسرے میں مدغم ہو گئیں اور شوہر کا جسم عورت کا جسم بن گیا اور عورت کا جسم شوہر کا جسم تو پھر ایک دوسرے کے سامنے دونوں کی بے حجابی کس طرح موجب شرم ہو سکتی ہے؟

میں نے اس وقت تم کو بے حجاب کر دیا تو یہ سمجھ کر نہیں کہ یہ جسم نجمہ کا جسم ہے بلکہ چونکہ نجمہ کی ہستی مجھ میں مدغم ہے اور میری ہستی نجمہ کی ہستی میں اس لئے میری نگاہ میں تمہارا جسم عین میرا جسم ہے۔ اگر میں نے ریشمی فانوس کو شمع حسن پر سے ہٹا دیا تو میرے لئے کوئی وجہ شرم نہیں اور تم کو بھی چاہیئے کہ اس چیز کو بے حجابی یا بے شرمی نہیں بلکہ منشائے قدرت کی تکمیل سمجھو۔

حجلۂ عروسی میں جب نئے زن و شوہر کے جسم ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو

جذبات نہانی میں تموّج پیدا ہو جاتا ہے۔ دونوں اسی طرح محبّت آمیز حرکات سے اپنی بےچین روحوں کو تسکین دیتے ہیں۔ جس طرح ہم تم اس وقت مصروفِ عمل ہیں۔ اس کے بعد جب بےتابی زیادہ بڑھتی ہے تو نئے زن و شوہر بہت زیادہ پُرجوش طریقہ پر اپنی الفتِ باہمی کا اظہار کرتے ہیں۔ عورت اپنے حصارِ عصمت کا دروازہ شوہر کے لئے کھول دیتی ہے۔ اور شوہر محبوبہ کو اپنے آغوشِ شوق میں لے کر پوشیدہ اعضاءِ جسم کے باہمی اختلاط سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عورت جب پہلی مرتبہ ازدواجی زندگی کے اس اہم ترین راز سے واقف ہوتی ہے تو اسے کسی قدر تکلیف ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایوانِ عصمت کے دروازے پر ایک باریک پردہ ہوتا ہے جو زائرِ شوق کو اندر داخل ہونے سے روکتا ہے۔ محبّت کی زور آزمائیاں اس قدرتی حجاب کو جو عصمتِ نسوانی کا ضامن ہے اپنی راہ سے ہٹا دیتی ہیں اور حسن و شباب کی پنکھڑیاں کیف و نشاط کی سُرخ شراب برساتی ہیں۔

مگر یہ تکلیف ایسی نہیں ہوتی ہے جو ناقابلِ برداشت ہو۔ دنیا میں سب عورتوں کو ازدواجی زندگی میں داخل ہونے سے پیشتر اسی منزل سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ چند منٹ کی عارضی تکلیف بھی مسرّت آمیز ہوتی ہے اور زن و شوہر کیف و نشاط کی رنگین اور شباب آفریں دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ محبت کی اس معراجِ کمال میں جو لذّت پوشیدہ ہے اس پر دنیا کی بڑی سے بڑی لذتیں قربان کر دی جاتی ہیں۔ یہی چیز نسلِ انسانی کی افزائش کا سبب بنتی ہے۔ جذبۂ پنہاں کی یہی وہ رنگین تڑپ ہے جو عورت کے سر پر مادریت کا نورانی تاج رکھ دیتی ہے۔"

نجمہ اس کیف پرور تقریر کو ہمہ تن گوش سن رہی تھی، ایک ایک لفظ اس کے دل میں اُترتا جا رہا تھا۔ آج اپنی زندگی کے نئے دَور میں قدم رکھنے کے بعد اس کو زندگی کے ایک بہت بڑے راز سے بھی واقفیت نصیب ہوئی۔

سعید کی گرمجوشیاں برابر بڑھتی جاتی تھیں۔ آنکھوں کے سرخ ڈورے صاف بتا رہے تھے کہ بادۂ شوق کا خمار ہے۔ ان کے دل کی حرکت تیز تھی اور تنفس میں گرمی۔ نجمہ کو ان کی گرمجوشیوں میں اب ایک ایسا کیفِ پنہاں حاصل ہو رہا تھا جس نے اس کے جسم کے ایک ایک رونگٹے کو بیخود بنا دیا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ دل پہ قابو حاصل کرے لیکن کسی پوشیدہ جذبہ کی کارفرمائیوں نے اسے مجبور بنا رکھا تھا۔

نجمہ کے ہاتھ اب بغیر کسی تحریک کے خود بخود سعید کی گردن تک بار بار پہنچ جاتے تھے۔ اس کے لب لعلیں پر سعید کے ہونٹوں سے مس ہو کر ایک عالم کیف طاری ہو جاتا تھا۔

سعید کسی ارادہ سے اُٹھے۔ نجمہ نے آستانۂ حسن کے متمنی زائر کو دیکھا اور فورِ شرم سے آنکھیں بند کر لیں۔ فراوانی شوق کے باوجود اس کے دل میں جھجک پیدا ہوئی۔ سمٹی، اور شرما کر اپنے بدن کو چرا لیا۔

سعید کی نظروں میں بادۂ شباب کا نشہ ضرور تھا لیکن دانشمندی کو انھوں نے ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ نجمہ کی اضطرابی کیفیت کو دیکھکر کچھ سمجھے، اپنی جگہ سے ہٹے اور نجمہ سے کہنے لگے:" میرے دل کی ملکہ! اگرچہ میں نے تم کو ازدواجی زندگی کے ایک بہت بڑے راز سے آگاہ کر دیا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تمھارے دل سے خوف و اضطراب ابھی رفع نہیں ہوا۔ زن وشوہر کا جسمانی اتصال طرفین کے اظہارِ محبت کا ثبوت ہے اور اس کے لئے دونوں کی تیاری و رضامندی لازمی ہے۔ اگر شوہر اپنے دل کی ملکہ کے جذبات کا احترام نہ کرے اور اس کے جسم کو صرف اپنی نفسانی خواہشات کے رفع کرنے کا آلہ سمجھ لے تو یہ اُس کی افسوسناک خود غرضی ہے۔ اگر تمھاری خواہش اس وقت اس بات کے لئے نہیں تو پیاری نجمہ میں اپنی مضطرب تمنّاؤں کو تمھاری خوشنودیِ مزاج پہ قربان کر دوں گا۔"

ان پُر محبت الفاظ نے زنجیر بن کر نجمہ کے دل کو جکڑ لیا۔ اس نے شرما کر کہا۔
"آپ کیا فرماتے ہیں میں آپ کی ہر ممکن خدمت گزاری کے لئے ہر وقت تیار ہوں
میرے لئے سب سے بڑی خوشی یہی ہو سکتی ہے کہ آپ کی خوشی پوری ہو۔"
سعید:۔ مجھے تمھاری شرافت اور قابلیت سے یہی اُمید ہے لیکن میں اس وقت قلعۂ عصمت کو تسخیر کرنا نہیں چاہتا جب تک کہ تم بھی میری طرح جذباتِ شباب سے بیخود ہو کر میری طرح تیار نہ ہو جاؤ۔

نجمہ:۔ میں ــــــ!

سعید:۔ ہاں۔ ہاں تم!

نجمہ:۔ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔

سعید:۔ اگر آج نہیں تو کل پوشیدہ جذبات کی فراوانی تمھارے خوف کو خود بخود رفع کر دے گی۔

نجمہ:۔ کیا ہو گا؟

سعید نے ہنس کر جواب دیا" کچھ نہیں۔ تم مجھ سے زیادہ بیخود ہو جاؤ گی۔"

نجمہ نے شرمائی ہوئی آواز سے مسکرا کر کہا:" میں اور بیخود ـــ!"

سعید نے لب لعلیں کو چوم کر جواب دیا" ہاں۔ ہاں بندہ پرور! آپ ہی بیخود ہوں گی۔ اب میں خوشامدیں کر رہا ہوں، کل آپ خوشامدیں کریں گی۔ قدرت کے زبردست قانون کو آپ نہیں توڑ سکتیں۔"

نجمہ:۔ میں ڈرتی ہوں۔

سعید:۔ اس ڈر کا حال پھر پوچھوں گا۔

نجمہ:۔ آپ اپنی خوشی پوری کر لیجئے۔

سعید:۔ نہیں بغیر تمھاری خوشی کے میری خوشی پوری نہیں ہو سکتی۔"

نجمہ :۔ آپ کو میری خوشی یا ناخوشی سے کیا واسطہ۔ میں ہر طرح حاضر ہوں۔

سعید :۔ میں خود غرض شوہر بننا نہیں چاہتا۔ جائیے آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک آپ خود اس بات کے لئے آمادہ نہ ہوں گی۔ میں آپ کے باغِ شباب کی گُل چینی نہیں کروں گا۔

نجمہ نے فرطِ محبّت سے اپنی خوبصورت باہیں سعید کی گردن میں ڈال دیں اس کے دل میں طرح طرح کے خدشے تھے۔ وہ ڈر رہی تھی۔ حیران تھی کہ حجلۂ عروسی میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ چند ساعت پیشتر وہ آنے والے واقعات کے تصوّر سے لرزہ براندام تھی۔ لیکن یہاں تو رنگ ہی بدلا ہوا تھا۔ اس کا حجلۂ عروسی محبّت کی نورانی قندیلوں سے جگمگا رہا تھا۔ وہ کسی ظالم، ناعاقبت اندیش شوہر کے رحم وکرم پر نہ تھی بلکہ سعید اس کی دلجوئی کا خواہاں تھا۔ وہ کوئی بات اس کی خلافِ مرضی نہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ نجمہ کے خوف پر اپنی البیلی تمنّاؤں کا خون کر رہا تھا۔ اس کی ہر ہر بات نجمہ کی نازبرداری کی جھلک لئے ہوئے تھی۔ نجمہ خوش نصیب تھی اور — اس کی شبِ عروسی قابلِ رشک۔

سعید نے اپنی اٹرتہ نجمہ کے کپڑوں کو درست کیا۔ اب ان دونوں کی محبت میں شانِ قدسیت تھی۔ محبّت کی دیوی مادّیات کی کثافت سے بالکل منزّہ اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ ان کے حجلۂ عروسی میں رونق افروز تھی۔

سعید نجمہ کا حصارِ عصمت تو فتح نہ کر سکا لیکن اسے ازدواجی زندگی کی سب سے بڑی فتح حاصل ہوگئی۔ یعنی اس نے اپنی رفیقۂ حیات کا دل مسخّر کر لیا۔ اس سے بڑھ کر ایک شوہر کی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے۔ کاش ہوا و ہوس کے بندے سعید کے اس شریفانہ طرزِ عمل سے سبق حاصل کریں اور چند منٹوں کی عارضی لذّت

کے لئے اپنی مستقل ازدواجی زندگی کو تاریک نہ بنائیں۔

ساری دنیا بے خبر سو رہی تھی۔ لیکن محبت کے ان دو متوالوں کے لئے نیند کہاں۔ تمام رات پُر لطف گفتگو میں گزار دی۔ سعید محسوس کر رہا تھا کہ خداوندکریم نے اُس کو حسب دلخواہ بیوی دی۔ ادھر نجمہ اپنی خوبی قسمت پر نازاں تھی کہ اُس کی قسمت خداوندکریم نے جس کے دامن سے وابستہ کی ہے وہ محبت و شرافت کا دیوتا ہے۔ کہن سال خاتونِ شب اس خوش نصیب جوڑے کو ہزاروں دُعائیں دیتی ہوئی آمادۂ سحر ہوئی۔ پیرِ سحر نے دولھا دولہن کے قدموں پر بکھیرنے کے لئے اُفق کی کشتی میں اپنی نورانی کرنوں کے پھول بھیجے۔ سعید نے اپنی دلہن کی بکھری ہوئی زلفوں کو سنوارا۔ پوشاک کا جائزہ لیا۔ خوبصورت جسم کو زیوروں سے دوبارہ زینت دی اور چلنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

نجمہ کا دل اب اُس کے سینہ میں نہیں بلکہ سعید کی مٹھی میں تھا۔ اس نے شرما کر اپنی باہیں سعید کی گردن میں ڈال دیں۔ چاہتی تھی کہ اس رات کی سحر نہ ہو، اور اس کو سعید کی آغوش سے جدا ہونے کا موقع نہ ملے۔ لیکن اب مجبور تھی۔ موذن کی روح پرور آواز کانوں میں آرہی تھی۔ عیش و عشرت کی نوبت خاموش ہو چکی تھی۔ خدائی نوبت بج رہی تھی۔ خدائی قندیل کے احترام میں حجلۂ عروسی کی شمعیں بھی خاموش ہو رہی تھیں۔ سعید نہ اب کمرے میں رُک سکتا تھا اور نہ نجمہ اُس کو روک سکتی تھی۔

فراوانی شوق کے اظہار کی خدمت نجمہ اور سعید کے لبوں نے انجام دی۔ جب دونوں کے دل مل چکے تھے تو پھر باہم نگاہیں کیوں نہ ملتیں۔ نجمہ حسرت سے سعید کی صورت دیکھ رہی تھی اور سعید کی نگاہیں نجمہ کے چہرہ پر۔ گزشتہ شب کا دل فریب سماں نظروں میں پھر رہا تھا اور دونوں کو آنے والی رات

کا انتظار تھا۔

سعید نجمہ سے بغل گیر ہو کر کمرہ سے باہر نکلے۔ اور نجمہ پھر اُسی طرح دوشالہ میں ملفوف ہو کر لیٹ رہی جس طرح کہ وہ شب عروسی کی ابتدائی گھڑیوں میں لیٹی ہوئی تھی۔

نشانِ عروسی کی جستجو

سعید کے باہر جاتے ہی بی رحمین گھبرائی ہوئی اندر داخل ہوئیں۔ ساری رات انہوں نے مصلے پر بیٹھکر آنکھوں ہی آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ ہاتھ میں تسبیح تھی اور لب پہ نجمہ کے لئے دعا۔ آتے ہی نجمہ کے اوپر ہاتھ رکھ کر آواز دی "بیٹا اور کوئی نہیں میں ہوں!"

نجمہ نے اپنی رحمین نانی کی پُر محبت آواز سُن کر پیٹھ پھیری اور ان کی صورت دیکھ کر سلام کیا۔ بی مغلانی نے ہاتھ اُٹھا کر دعائیں دیں "بیٹی جیتی رہو۔ خوش نصیب ہو۔ دشمن زیر پا۔ اللہ تمھارے سہاگ کو قایم رکھے۔ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو"!

آنکھوں سے آنسو زار و قطار جاری تھے۔ مسہری پر اُچک کر نجمہ کو اپنے کلیجہ سے لگا لیا۔ مُنہ چوما۔ مگر نانی رحمین کے پیار میں اب وہ لذت کہاں تھی ــــ؟

اور پوچھا "بیٹی! کسی بات کی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

نجمہ نے سر جھکا کر جواب دیا "نہیں!"

جہاں دیدہ بڑی بی کی نگاہیں بار بار مسہری کی چادر پہ پڑ رہی تھیں۔ دل میں سوچا کہ نئی روشنی کے "نیچری" دولھا دلہن نے مسہری کی چادر بدل دی ہوگی۔

پھر نجمہ سے پوچھا "بیٹی بتاؤ رات کو تمھیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

نجمہ نے مسکرا کر جواب دیا "نہیں نانی! کہہ تو رہی ہوں!"

بڑی بی: "رات میں سوئی تھیں؟"

نجمہ :۔ (ہنس کر) ہاں نانی! خوب پاؤں پھیلا کر۔"

بی مغلانی اگرچہ نجمہ کا لحاظ بہت کرتی تھیں لیکن یہ موقع ہی پوشیدہ باتوں کے پوچھنے کا تھا۔ نجمہ سے سوال کیا: "بیٹی! کہیں درد ورد تو نہیں ہے؟ ہو تو مجھے بتا دو۔"

نجمہ :۔ نانی درد کیسا، ہاں سر میں درد ضرور ہے۔ سو وہ آج سے نہیں کئی دن سے ہے۔

ممکن ہے کہ بڑی بی کے دل میں خیال آیا ہو کہ نجمہ ایک ہی رات میں کیسی "چھتیسی" ہو گئی کہ اس کے بدن میں کہیں درد بھی نہیں اور نہ رات میں کسی تکلیف ہی کا اظہار کرتی ہے۔ انھوں نے غور کے ساتھ نجمہ کی صورت دیکھی اور پھر بولیں۔

"بیٹی! کوئی بات ہو تو بتا دو"

نجمہ نے ہنس کر جواب دیا: "نانی! کیا بتا دوں، نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی اور نہ کہیں میرے درد ہے اور درد کیوں ہو؟"

بی رحیمن نے فلسفیانہ انداز سے سر ہلایا اور شاید دل ہی دل میں کہا بھی ہو گا کہ اس زمانہ کی لڑکیاں کیسی اُڑان دیدہ ہوتی ہیں کمبختیں ارمان بھری، انھیں تکلیف کیوں ہونے لگی۔ وہ تو دعائیں اس رات کی کرتی ہیں۔ اللہ اللہ ہم بھی تو کبھی جوان تھے، کبھی ہماری بھی تخت کی رات ہوئی تھی۔ صبح مُردہ کی صورت ہو گئی تھی۔ اور تین دن تک چلنے پھرنے کو ترس گئے تھے۔ نجمہ ہے کہ اُس کی پیشانی پر بل بھی نہیں ——

بڑی بی نجمہ سے کچھ اور کہنا چاہتی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ رحیمن مغلانی نجمہ کو قرینے سے لٹا کر نیکیں اور کمرہ کا دروازہ کھولا۔ سروری بیگم باہر کھڑی ہوئی تھیں، انھوں نے نہ جانے بڑی بی سے کیا سرگوشیاں کیں۔ لیکن نجمہ نے بی مغلانی کو یہ کہتے ضرور سُنا: "بیگم! میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔"

سروری بیگم نے ہنس کر کہا "واہ بی مغلانی سمدھن تم نے تو اپنا چونڈا دھوپ ہی میں سفید کیا ہے، کچھ انتظام ہو تو کر دو. لڑکیاں اندر آنے کے لئے بے تاب ہو رہی ہیں۔"

بی مغلانی :- اے بیگم! میں کیا انتظام کر دوں ۔ آیئے آپ خود اپنی نگاہ سے دیکھ لیجئے ۔

سروری بیگم :- میں کیا دیکھوں ، تم خود دیکھ بھال لو ، شاید بچھّی وغیرہ سمجھیں! میں جانتی ہوں ۔ تم مجھے بتا جاؤ ، تو میں پھر لڑکیوں کو اندر بھیج دوں ۔

بی مغلانی :- اے بیگم! میری سمجھ پر پٹکی پڑے ۔ پہلے مجھے خیال نہ آیا ۔ اب دیکھے لیتی ہوں ۔

بڑی بی نے دروازہ بند کر کے اب کمرے کا بغور جائزہ لینا شروع کیا. کبھی مسہری کے نیچے جھانک کر دیکھتیں. کبھی فرش کا کونا ہٹا کر مسہری کی تلاشی لی جاتی جب مسہری کے اوپر، نیچے ، دائیں ، بائیں بڑی بی کو مطلوبہ چیز نہ ملی تو انھوں نے کمرے کی دوسری چیزوں پر نظر دوڑائی ۔ ڈریسنگ ٹیبل کی درازوں میں. قدِ آدم آئینے کے پیچھے ، کرسیوں کے نیچے ہر طرف جھانکا ، اور جب اس طرح بھی تسکین نہ ہوئی تو بڑے اُگالدان کے اندر بھی جھانک لیا ۔ اِدھر اُدھر دیکھا ، شاید کوئی بچھّی نظر آجائے ، لیکن اس کا بھی کہیں پتہ نہ تھا ۔ ٹرنک کمرے میں کوئی تھا نہیں ۔ الماریوں میں کتابیں رکھی تھیں یا فیشن کے چند لوازمات ۔ آخر وہ چیز —— گئی کہاں ——!!

بڑی بی حیران تھیں. نجمہ سعید کی گفتگو سے ان باتوں کو اب بہت کچھ سمجھ گئی تھی ۔ اسے بڑی بی کی بدحواسیوں پر ہنسی آرہی تھی ۔ پہلے تو کچھ دیر یہ لطف تماشا

دیکھتی رہی۔ اس کے بعد مسکرا کر بولی "اے نانی! کیا ڈھونڈھ رہی ہو؟"

بڑی بی :۔ بیٹی کیا بتاؤں، تم مجھے بیکار پریشان کر رہی ہو۔

نجمہ :۔ میں کیا پریشان کر رہی ہوں؟

بڑی بی :۔ اور پریشان کرنا کسے کہتے ہیں؟

نجمہ :۔ آخر کچھ معلوم بھی تو ہو؟

بڑی بی :۔ میں صاف صاف کوئی بات تم سے کہنا نہیں چاہتی۔ لیکن تم میرا مُنہ کھلواتی ہو۔

نجمہ :۔ نانی تم تو پہیلیاں بُجھاتی ہو۔

بڑی بی پھر اُچک کر مسہری پر پہنچیں اور نجمہ کے سر پہ ہاتھ پھیر کر کہنے لگیں "بیٹی! بتا دو کہیں درد ورد تو نہیں ہے۔

نجمہ نے ہنس کر جواب دیا۔ "ایک بار کیا دس بار تو کہہ چکی کہ میرے کہیں درد نہیں ہے۔ کیا تم میرا بُرا چاہتی ہو؟"

بڑی بی :۔ اے بیٹی! نوج، بُرا چاہوں تمھارے بُرا چاہنے والوں کا، بُرم دنیا ہے۔ لوگ پوچھتے ہی ہیں ـــــ اچھا رات میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تھی۔

نجمہ :۔ کاہے کی تکلیف۔ بس یہی تکلیف تھی کہ تم کہانی سُنانے کے لئے رات میں میرے پاس نہیں آئیں۔ اب تم سے ایک کہانی کے بدلے دو کہانیاں سنوں گی۔

بڑی بی :۔ اے بیٹی! کہانیاں تو میں تم کو حدی ہزار سُنا دوں گی۔ لیکن اس وقت تو سب سے بڑی کہانی ہو رہی ہے۔

نجمہ :۔ آخر کیسی کہانی؟

بڑی بی :- اب کیا بتاؤں، ذرا دیر میں لڑکیاں اندر آئیں گی، کنواری کنیائیں ہیں۔ اگر کوئی بات نظر آگئی تو بڑھاپے میں کھدرے اُسترے سے میرا سر مونڈا جائے گا۔ وہ تو کہو دولھا کی ماں بہت سمجھدار ہیں جو اُنھوں نے اپنے گھر کی عورتوں کے بھیجنے کے بجائے پہلے مجھ ہی کو اندر بھیج دیا۔

نجمہ :- اے نوج دور پار تمھارا سر کیوں منڈنے لگا؟

بڑی بی :- اب باتیں ہی ایسی ہیں۔

نجمہ :- کون سی باتیں؟

بڑی بی :- تم سے کیا کہوں۔ تم اشارتاً بھی کوئی بات نہیں بتاتیں۔

نجمہ نے مسکرا کر کہا: "آخر کوئی بات پوچھو بھی تو"

بڑی بی :- اے کیا پوچھوں۔ تم کوئی بات سمجھتی ہی نہیں اور مجھ نگوڑی کو بڑھاپے میں ایسی باتیں تم سے صاف صاف پوچھتے شرم آتی ہے۔

اس کے بعد بڑی بی نے نجمہ کے کان میں چپکے سے پوچھا: "بیٹی! مسہری کی چادر کہاں ہے؟"

نجمہ نے شوخی کے ساتھ مسکرا کر پوچھا: "اے اتنی سی بات اور پھر مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اپنی نگاہوں سے خود ہی دیکھ لیتیں"

بڑی بی :- بیٹی! میں نے اس کمرے کا گوشا کونا چھان مارا۔

نجمہ :- اور پھر بھی چادر نظر نہ آئی؟ ارے اس پر تو میں لیٹی ہوں اور تم بیٹھی ہوئی ہو۔ نانی! یہ کیا چادر مسہری پر بچھی ہے!

بڑی بی :- دوسری چادر۔

نجمہ :- مجھے پرائے گھر کا حال کیا معلوم کہ مسہری کی دوسری چادر کہاں ہے میرے ساتھ میں کوئی جہیز کی ہوگی تو تم کو معلوم ہوگی۔ اس گھر کی چادر ہوگی تو گھر

والوں سے پوچھو۔ اُن کے توشہ خانہ میں ہو گی۔

بڑی بی نے جھلّا کر کہا۔ "بیٹی! تم کو تو اس وقت خواہ مخواہ کی ہنسی سوجھی ہے رات میں مسہری کی چادر بدلی تو نہیں گئی تھی۔

نجمہ:۔ میں تو رات بھر اسی چادر پر لیٹی رہی۔

بڑی بی نے متحیّر نگاہوں سے نجمہ کی طرف غور سے دیکھا اور پھر اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر پوچھا: "بیٹی! تمھیں میرے سر کی قسم! سچ بتاؤ تمھارے بدن میں کہیں درد ورد تو نہیں ہے؟"

نجمہ نے اپنی رحیمن نانی کے گلے میں باہیں ڈال کر جواب دیا۔ "اے نانی! آج تمھیں کیا ہو گیا ہے، بار بار یہی سوال کئے جاتی ہو، کہہ تو چکی کہ میرے کہیں درد ورد نہیں ہے۔ سر میں درد تھا سو تمھاری صورت دیکھ کر وہ بھی دُور ہو گیا۔

بڑی بی کو پھر اطمینان نہ ہوا اور انھوں نے اپنے دل کی خلش کو مٹانے کے لئے پھر پوچھا: "رات میں تمھیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تھی۔"

نجمہ کو بیساختہ ہنسی آ گئی اگر اس کے والدین کا گھر ہوتا تو شاید ہنستے ہنستے اس کے پیٹ میں بل پڑ جاتے۔ بمشکل ضبط کر کے بولی: "کئے بار کہوں کہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ آخر بات کیا ہے۔ کیا تم میری تکلیف کی خواہاں ہو؟"

بی مغلانی:۔ اے چل لڑکی مجھے بناتی ہے کہہ کر مسہری سے نیچے اُتریں اور زیر لب کچھ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔"

عقل کی دیوی شوکت آرا

نہ جانے شوکت آرا بیگم نے رات کس طرح گزاری۔ کئی دن کی تھکی ہوئی تھی لیکن پھر بھی نجمہ کی یاد نے انھیں پلک جھپکانے کی مہلت نہیں دی۔ تین بجے رات سے اُٹھ کر انھوں نے ساری محفل سرا میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ نجمہ کے چچازاد بھائی انور کو سوتے سے جگایا۔ "میاں! اپنی بہن کو لینے نہیں جاؤ گے؟" نواب سکندر جاہ کی خواب گاہ میں گھُسیں۔ "بھلا تمھیں کس بات کی فکر ہے چین سے پاؤں پھیلائے سو رہے ہو۔ اُٹھو! لڑکی کے بلانے کی فکر کرو!!"

نواب صاحب نے آنکھیں ملتے ہوئے جواب دیا۔ "بیگم! صبح تو ہونے دو، ابھی بہت رات باقی ہے۔"

بیگم تیکھی ہو کر بولیں۔ "اے نوج! ایسی رات کیا باقی ہے، بات کرتے میں تو صبح ہوتی ہے۔ آخر سارا انتظام کرنا ہے۔"

نواب:۔ تم فکر نہ کرو۔ سب انتظام ایک منٹ میں ہو جائے گا۔

بیگم:۔ میں فکر نہ کروں تو کیا تم فکر کرو گے؟ جبھی تو اطمینان سے سو رہے ہو۔

نواب:۔ رات میں سوؤں نہ تو کیا کروں؟

بیگم:۔ اے قربان ایسے سونے کے اولاد کی بھی محبت نہیں۔

نواب نے مسکرا کر بیگم کو اپنی مسہری پر گھسیٹا اور کہا۔

"آؤ تم بھی میرے پاس سو رہو۔"

بیگم نے نواب سکندر جاہ کی گرفت سے نکلتے ہوئے جواب دیا۔ "بس بس اس

وقت اپنے چونچلے رہنے دو۔ میرے دل پر تو چھریاں چل رہی ہیں اور تم پر بڑھوبس سوار ہے۔

نواب :۔ تو بیگم! کیا میں بڈھا ہو گیا؟

بیگم :۔ خدا کے فضل سے داماد گھر آیا۔ اب بوڑھے ہونے میں کسے کلام ہے؟

نواب :۔ خیر میں چالیس سال کی عمر میں بوڑھا سہی، لیکن تم تو ابھی جوان ہو! پھر آؤ —— ذرا دیر سو رہیں۔

بیگم :۔ جوبن دکھانے کا زمانہ گیا۔ میں بھی اب بوڑھی ہوں۔ بیٹی بیاہ کر کیا داماد کے سامنے جوان بنوں گی؟

نواب :۔ اچھا خیر یونہی سہی! میں بھی بوڑھا، تم بھی بڑھیا۔ لیکن بیگم! ایک بات تو بتا دو! کیا بوڑھوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا؟

بیگم :۔ نہیں، ہوتا کیوں نہیں ہے۔ مگر پتھر کا ہو جاتا ہے، اولاد کی بھی پروا نہیں رہتی۔ بجائے اس کے کہ لڑکی کو بلانے کی فکر کی جائے، مستیاں سوار ہیں۔ اپنی ہی مثال دیکھ لو۔

نواب سکندر جاہ قہقہہ لگا کر بولے "بیگم! بھلا تمھارے سامنے کون جیت سکتا ہے، اچھا لو، نہ سوؤں گا —— ابھی رات بہت ہے، بتاؤ کیا کروں؟"

بیگم :۔ اے نواب! پھر وہی رات کا قصہ، کرو کیا، میری نجمہ کو بلا دو۔

نواب :۔ اچھا صبح تو ہو جانے دو۔

بیگم :۔ اونھ۔ صبح ہو ہی جائے گی۔

نواب مسکرا کر بولے "اچھا، نجمہ کو لینے کون جائے گا؟

بیگم :۔ اور کون —— خدا رکھے اس کے بھائی کو، انور علی جائے گا۔

نواب :۔ اچھا، ذرا دیر ٹھہرو! وہ سو کر اٹھے تو اس کو بھیجدوں گا۔

بیگم :۔ واہ میں تو اُس کو جگا کر آئی ہوں، تمھاری طرح یہ نہیں کہ پاؤں پھیلا کر سوئے۔ وہ تو خوشی خوشی کپڑے بدل رہا ہے۔

نواب :۔ اُفوہ! اتنی رات سے؟

بیگم :۔ پھر وہی رات، مجھے اس نگوڑی کے نام سے چڑھ ہو رہی ہے۔

نواب نے اپنی شعلۂ جوالہ بیگم کا منہ چوم کر کہا "بیگم! تمھاری جان کی قسم! رات ہی کی باتوں میں تو زندگی کا لطف ہے"

شوکت آرا بیگم :۔ (دوپٹہ سے اپنے گال کو صاف کرتے ہوئے بولیں) ایسے اب تو بھڑ بھس کم کر دو۔ داماد گھر میں آیا ہے۔

نواب :۔ (ہنس کر بولے) تو کیا داماد تمھارے گال پر بوسے کا نشان دیکھے گا یا ہماری خواب گاہ میں جھانک کر دیکھے گا۔ ساس سسر کیا کر رہے ہیں۔

بیگم نے بگڑ کر جواب دیا "خدا کی پناہ! اس مردوے کو تو شرم چھو نہیں گئی ہے اچھا تم آرام سے سوؤ۔ خدمت کے لئے دو چار کنیزوں کو بھیجے دیتی ہوں میری مانتا نہیں مانتی۔ میں خود اپنی نجمہ کو بلا لوں گی۔ یہ کہہ کر بیگم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دوپٹہ سے آنسوؤں کو پونچھ کر بولیں "نواب! سن لو!! اگر نجمہ کو بلانے کا ابھی تم نے کوئی انتظام نہیں کیا تو جناب امیر کی قسم برقع اوڑھ کر میں خود محلسرا سے نکل پڑوں گی اور اپنی نجمہ کے پاس چلی جاؤں گی"

بھلا کوئی بات تھی کہ شوکت آرا بیگم روئیں اور نواب سکندر جاہ بیتاب نہ ہو جائیں۔ گھبرا کر یہ کہتے ہوئے اٹھے "ہائیں ہائیں! تم تو ہنسی ہی ہنسی میں بگڑ گئیں، ابھی نجمہ کو بلواتا ہوں ــــ اچھا ذرا ہنس تو دو"

شوکت آرا بیگم نے نواب کا ہاتھ جھٹک کر کہا "پہلے میری نجمہ کو بلوا دو پھر ہنسوں گی"

نواب :۔ پہلے ہنس دو۔

بیگم :۔ خدا کے لئے مجھے نہ جلاؤ۔ آخر تم میری جان کے پیچھے کیوں پڑے ہو۔

شوکت آرا بیگم اپنے آنسو پونچھتی ہوئی تنک کر کمرے سے باہر گئیں۔ نواب بھی جلدی سے اُٹھے۔ خواب گاہ سے باہر نکل کر دیکھا کہ چاہے دنیا میں ابھی رات باقی ہو لیکن ان کی محلسرا میں بہت دیر سے صبح ہو گئی ہے۔ چھوٹے بڑے سب جاگ رہے ہیں۔ شوکت آرا بیگم نے تو کئی ضروری انتظامات بھی مکمل کر لئے۔

نواب صاحب کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی لیکن انھیں حیران ہونے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ماں کی ممتا سب کچھ کر سکتی ہے۔ اتنے میں سید انور علی نے آکر اپنے چچا کی خدمت میں آداب عرض کیا۔ نواب صاحب دُعا دے کر بولے "میں! تم تو بالکل تیار ہو گئے؟"

انور علی :۔ چچا جان میں آپا بیگم کو لینے جاؤں گا۔

نواب :۔ تو اتنی رات رہے؟

انور علی :۔ واہ چچا جان! رات کیا باقی ہے؟ ابھی تو صبح ہوتی ہے۔

شوکت آرا بیگم انور علی کی یہ گفتگو سن کر مسکرائیں اور نواب صاحب کی طرف دیکھا۔ نواب صاحب ہنس کر بولے "ہاں میاں کیوں نہ ہو، آخر اپنی چچی ہی کے تو بھتیجے ہو۔"

نواب سکندر جاہ کو اب موٹر ڈرائیوروں اور چند دوسرے ملازموں کو بلوانے کی فکر ہوئی۔ لیکن شوکت آرا بیگم نے مسکرا کر کہا آپ کسی کی فکر نہ کیجئے۔ درِ دولت پر سب ملازم حاضر ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو رات میں گھر نہیں جانے دیا تھا۔ اب آپ صرف نجمہ کو بلوا دیجئے۔ نواب صاحب نے ہنس کر کہا۔ "بیگم سارا انتظام تو تم نے خود ہی کر لیا ہے، پھر مجھے جگانے کی کیا ضرورت تھی؟ انور میاں تیار سامنے

کھڑے ہیں، ملازم سب حاضر ہیں، موٹریں صاف ہوگئیں، روپیہ تمھارے پاس ہے اب باقی کیا رہا۔ انور میاں سے کہو راتوں ہی رات بسم اللہ کریں ۔۔۔

بیگم :۔ (قطع کلام کر کے بولیں) پھر وہی رات کا نام لیا۔

نواب صاحب نے ہنس کر کہا :" معاف کیجئے خطا ہوئی۔ روزِ روشن تو کیا، اس وقت تو دوپہر ہے ۔۔۔۔ ہاں انور میاں بچّے ہیں۔ ان کے ساتھ میں دو ایک بوڑھوں کو کر دو ۔۔۔"

بیگم :۔ میرے خیال میں دیوان جی مناسب رہیں گے ۔

نواب :۔ بس بس ٹھیک ہے ۔تم نے تو ہر بات پہلے ہی سے سوچ رکھی ہے۔ مگر وہ تو کہیں دوپہر تک سو کر اُٹھتے ہیں، اُنھیں بلایا کیسے جائے ؟

بیگم :۔ آپ اُن کی فکر نہ کیجئے۔ وہ بارہ بجے رات سے ڈیوڑھی پر حاضر ہیں، میں نے پہلے ہی اُن کو اطلاع کر دی تھی ۔

نواب :۔ بیگم خدا کی قسم میں تو تمھارا قائل ہوگیا۔ عورت کیا ہو، اگر کسی اخبار نویس کو ملتیں تو عقل کی دیوی کا خطاب دے دیتا ۔

بیگم نے تیکھی چِتون سے دیکھ کر کہا :" آگ لگاؤں موئے اخبار نویسوں کو۔ بس اب یہ باتیں رہنے دو۔

نواب :۔ تو اچھا یہ طے ہوگیا۔ انور میاں دیوانجی کے ساتھ کاکوری جائیں گے ۔ اچھا پانچ سپاہی ساتھ کر دو۔

بیگم نے بات کاٹ کر پوچھا :" کے سپاہی ؟"

نواب :۔ پانچ ۔

بیگم :۔ خوب، کیوں نہ ہو۔ سپاہی پانچ ، انور میاں چھ، دیوانجی سات، موٹر چلانے والا آٹھ ۔۔!! جو بات سوجھی بدشگونی کی ۔ آٹھ ، اٹھارہ ، اٹھائیس،

کیا تم نہیں جانتے ہو؟

نواب :- سر کھجا کر بولے "تو بیگم! میں تمہارا دماغ کہاں سے لاؤں؟

بیگم :- بس آپ کے حکم کی ضرورت تھی۔ حکم حاصل ہوگیا۔ اب آپ آرام سے بیٹھئے۔ مگر سوئیے گا نہیں ــــ کنیز سب انتظام کرلے گی۔

نواب :- یہ تو مجھے پہلے بھی معلوم تھا۔ اسی لئے تو اطمینان سے سو رہا تھا۔

شوکت آرا بیگم :- اس پُر لطف داد پر نواب صاحب کی طرف دیکھ کر عجیب بانکپن سے مسکرائیں۔ اگر تخلیہ ہوتا تو نواب سکندر جاہ اُن کا منہ ضرور چوم لیتے۔ دوبارہ سونے کی اجازت نہ تھی۔ نواب صاحب سہ دری میں بیٹھ کر حقہ سے شغل فرمانے لگے اور شوکت آرا بیگم اپنی بیٹی کے بلانے کے انتظامات میں مصروف ہوگئیں۔

دفعتاً بیٹھے بیٹھے نواب صاحب کو ایک بات یاد آئی۔ شوکت آرا بیگم کو آواز دیکر پوچھا "بیگم! اس وقت مٹھائی کہاں سے آئے گی؟ رات میں مجھے کچھ خیال نہیں رہا۔ یہ بڑی دشواری ہے"۔

شوکت آرا بیگم کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔ بولیں "اور آپ کو سوائے اپنے پیچوان اور خاصدان کے خیال رہتا ہی کس بات کا ہے؟ فکر نہ کیجئے۔ مٹھائی دو گھنٹے سے آئی ہوئی رکھی ہے۔ میں نے آگرہ والے کی دوکان پر شام ہی کو کہلا بھیجا تھا کہ بارہ ایک بجے رات تک اتنی مٹھائی تیار ہو جائے۔ دو بجے رات کو غلام حسین اس کے یہاں سے تلوا لایا تھا"۔

نواب :- آفریں ہے تمہارے دماغ کو، خدا تمھیں نظرِ بد سے بچائے اور ہر مسلمان کو ایسی ہی بیوی دے۔

شوکت آرا بیگم کے احکام زور شور کے ساتھ چل رہے تھے۔ گھر کی صفائی و آراستگی بھی ہو رہی تھی۔ اور نجمہ کو بلانے کے انتظامات بھی ہو رہے تھے۔ دیوانجی اپنی

ضروریات سے فارغ ہوکر دیوانخانے میں آگئے تھے۔ سپاہیوں کی کمر بندی ہوچکی تھی۔ موٹروں کے بگل کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ نجمہ کا چچا زاد بھائی انور علی جس کی عمر سات سال کے قریب تھی کبھی خوشی میں اندر آتا تھا کبھی باہر جاتا تھا۔ اس کو شوکت آرا بیگم سے بھی زیادہ عجلت تھی اور بار بار اُن سے کہتا تھا کہ چچی جان آپ تو خود دیر کر رہی ہیں۔

نسوانی فطرت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ خواہ کسی بات کا انتظام ہفتوں پیشتر ہی سے کیوں نہ کریں لیکن عین وقت پر نئی نئی چند باتیں نکل ہی آتی ہیں اور اس طرح عجلت پسندی کے باوجود عورتوں کے کام میں دیر ضرور ہوتی ہے چنانچہ اس موقع پر بھی عین اس وقت جبکہ نجمہ کے میکے کا قافلہ کاکوری جانے کے لئے بالکل تیار تھا شوکت آرا بیگم کو کوئی ضروری انتظامات کا خیال آگیا۔ فوراً ملازموں کو دوڑایا گیا۔ غرض خدا خدا کرکے دن نکلے انور علی دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنی بہن کو لینے کاکوری روانہ ہوئے ــــ

شوکت آرا بیگم نے انور علی اور دیا جی کو تمام باتیں سمجھا دی تھیں اور خود کاکوری میں بی رحیمن موجود ہی تھیں، لیکن ان لوگوں کی روانگی کے بعد بھی شوکت آرا بیگم بار بار یہ کہتی تھیں: "اے ہے میری سمجھ پر آفت آئے انور سے ایک بات کہنا بھول گئی"

میکے کی تڑپ

دلہن کے کمرے سے بی مغلانی کے نکلتے ہی سرور بیگم کی اجازت سے گھر کی لڑکیاں اندر آگئیں۔ چونکہ شب گزشتہ خورشید جہاں کی تقریر سب لڑکیوں کے دل پر نقش ہو گئی تھی۔ اس وقت طوفانِ بے تمیزی برپا نہ تھا۔

نو دس سال کی محمودہ نے دلہن سے کہا "بھابی جان آداب عرض ہے۔"

نجمہ بھلا سلام کا جواب کیا دیتی۔ محمودہ نے تنگ آکر کہا "بھابی جان آپ نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔"

خورشید جہاں:۔ تمھاری بھابی جان تمھیں اپنے دل میں دعائیں دے رہی ہیں۔

محمودہ:۔ واہ اس سے کیا ہوتا ہے، زبان سے کہیں، جیتی رہو، بڑی عمر ہو۔

خورشید:۔ گھبراؤ نہیں، ایک دن زبان سے بھی دعا دیں گی۔

محمودہ:۔ کب؟

خورشید:۔ جب تم انھیں پریشان نہیں کرو گی۔

محمودہ:۔ ہم تو اپنی بھابی کو کبھی پریشان نہیں کریں گے۔

خورشید:۔ شاباش! تم بہت اچھی بیٹی ہو۔

خورشید جہاں کی دانشمندانہ ہدایات نے نواب حشمت یار جنگ کے خاندان کی کم سن لڑکیوں کو بتا دیا تھا کہ دلہن کو پریشان نہیں کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ نجمہ کی جان بہت کچھ عافیت میں رہی ورنہ عام طور پر ہندوستانی گھروں میں شریر لڑکیوں کی وجہ سے جو دلہن کو دیکھنے یا دلہن سے بات کرنے کے اشتیاق میں بالکل دیوانی

کی وجہ سے جو دلہن کو دیکھنے یا دلہن سے بات کرنے کے اشتیاق میں بالکل دیوانی ہو جاتی ہیں دلہن کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ شریف گھرانوں میں تو جہاں شرم و حیا کا لحاظ زیادہ رکھا جاتا ہے بے زبان دلہن کی تکالیف اور بھی بڑھ جاتی ہیں۔ ہر خاندان میں سمجھدار خواتین کو چاہیئے کہ خورشید جہاں کے نقشِ قدم پر چل کر گھر کی چھوٹی لڑکیوں کو سمجھائیں کہ وہ دلہن کو پریشان نہ کیا کریں۔

رات میں جب لڑکیوں نے یورش کی ہے تو نجمہ کو بہت تکلیف ہوئی تھی۔ ایک لڑکی کا ہاتھ کرن پھول میں لگ گیا تھا اس کی وجہ سے داہنے کان میں اب تکلیف تھی۔ لیکن اس وقت لڑکیاں نجمہ کے کمرے میں علیحدہ بیٹھی ہوئی اچھی اچھی باتیں کر رہی تھیں اور باوجودیکہ نجمہ خاموش تھی لیکن اس کا جی بہل رہا تھا۔

خورشید جہاں اور دوسری نوعمر خواتین نے دلہن کے زیورات درست کئے۔ زلفوں میں شانہ کیا۔ چوٹی گوندھی، منہ دھلایا۔ اب سوال ناشتہ کا بے ڈھب تھا۔ خورشید جہاں کی خواہش تھی کہ نجمہ اس سے کسی قدر بے تکلف ہو جائے تاکہ وہ دلہن کو ناشتہ خود کرا سکے لیکن ایک ہی شب میں نجمہ کے دل سے جھجک کا مٹنا ذرا دشوار تھا۔ باوجودیکہ نجمہ اپنے دل میں خورشید جہاں کی محبت محسوس کر رہی تھی۔ لیکن شرم کے ہاتھوں بات کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

خورشید نے ہنس کر پوچھا: "بھابی جان ناشتہ حاضر کروں؟"

نجمہ خاموش رہی۔

خورشید جہاں نے آگے بڑھ کر نجمہ کی بغل میں آہستہ سے گدگدی کرتے ہوئے کہا: "کم از کم مجھ سے تو اتنی شرم نہ کیجئے، اچھا زور سے نہیں تو میرے کان میں کہہ دیجئے۔" باوجود کوششِ ضبط نجمہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ خورشید جہاں ناشتہ کا انتظام کرنے کے لئے مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئیں۔

ابھی سروری بیگم ناشتہ اندر بھجوا ہی رہی تھیں کہ شور ہوا۔ "دلہن کا بھائی آ گیا" "دلہن کا بھائی آ گیا"!

نواب حشمت یار جنگ پیشوائی کے لئے باہر لپکے، زنانخانہ میں نئی سرگرمیاں پیدا ہو گئیں۔ ڈومنیوں نے سارنگیاں غلاف سے نکالیں۔ طبلوں کو ملانا شروع کیا۔ بی مغلانی اپنے ڈھیلے پائنچے سنبھالتی ہوئی دلہن کو یہ خوش خبری سنانے کے لئے لپکیں۔ نواب حشمت یار جنگ نے دلہن کے عزیزوں اور میکے کے آدمیوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ دیوانجی کی حیثیت چونکہ قافلہ سالار کی تھی۔ اس لئے اُن کی خوب آؤ بھگت ہوئی، رسم کا شربت پیش کیا گیا۔ دیوانجی جن کو شوکت آرا بیگم کی عجلت پسندیوں کے طفیل میں اچھی طرح حقّہ پینے کو نہیں ملا تھا اطمینان سے حقّے کے کش لگانے لگے۔ شربت یا ناشتہ سے زیادہ ان کو اپنے حقّے کی فکر تھی۔

سروری بیگم نے باہر کہلا بھیجا کہ دلہن کے بھائی کو اندر بھیج دیا جائے چنانچہ انور علی زنانخانہ میں داخل ہوا۔ اس نے پہلی ڈیوڑھی میں قدم رکھا تھا کہ بی مغلانی نے لپک کر چٹاچٹ بلائیں لیں۔ انور نے ہنس کر کہا "نانی ہم بھی آ گئے"! بی مغلانی انور علی کو جواب بھی نہ دینے پائی تھیں کہ ڈومنیاں طبلے اور سارنگیاں لئے سامنے سے نمودار ہوئیں اور اپنی رنگین گالیوں سے انور علی کا استقبال کیا۔ انور علی نے کبھی گالیاں کاہے کو کھائی تھیں۔ مارے غصّہ کے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ قریب تھا کہ ایک آدھ ڈومنی کے جھونٹے کھسوٹ لے کہ بی مغلانی نے سمجھایا کہ "بیٹا جب دلہن کا بھائی آتا ہے تو ڈومنیاں اُس کو گالیاں دیتی ہیں۔ یہ رسم ہے، بُرا نہیں مانتے، تم کو تو خوش ہونا چاہیئے کہ خدا نے یہ دن دکھایا کہ تمھاری بہن کی شادی ہوئی اور تم اس کو لینے کے لئے آئے"!

شاید یہی وہ بات تھی جو شوکت آپا بیگم انور علی کو رخصت کے وقت سمجھانا بھول گئی تھیں۔ بی مغلانی کے سمجھانے سے انور علی کا غصّہ فرو ہوگیا۔ بڑی بی نے انور علی کے کان میں کہا: "میراثنیں جب گالیاں دیتی ہیں تو رسم کے مطابق دلہن کا بھائی ان کو روپے دیتا ہے۔ بیگم صاحبہ نے تم کو کتنے روپے دیئے ہیں؟"

انور علی:- روپے تو دیوانجی کے پاس ہیں۔

بڑی بی:- اے ہے یہ نگوڑا ایلچی تو کسی مرض کی بھی دوا نہیں۔ اس کو تو اپنے حقّے سے کام ہے یا چانڈو کے چھینٹوں سے۔ بچّہ کو اندر بھیج دیا اور روپے نہ دیئے کیا روپوں کا اچار ڈالے گا۔ آیا ہے خدائی خوار ہماری ناک کٹوانے کے لئے۔ ذرا بلاؤ تو ڈیوڑھی پر میں اس کی اچھی طرح خبر لوں۔

غریب انور علی پھر واپس ہوا۔ سروری بیگم دوسری ڈیوڑھی میں دلہن کے بھائی کے لئے چشم براہ تھیں۔ جب ذرا دیر ہوئی تو انھوں نے ایک خادمہ سے ڈومنیوں کو کہلا بھیجا کہ دلہن کے بھائی کو اطمینان سے اندر بیٹھ جانے دو پھر گالیاں دینا۔

لیکن ڈومنیاں بھلا اس موقع پر کب کسی کی سننے والی تھیں۔ یہ چیخ چیخ کر بولیں: "واہ اللہ میاں نے برسوں کے بعد تو یہ خوشی کا دن دکھایا ہے۔ ہم تو پہلی ہی ڈیوڑھی سے اپنا حق لینا شروع کریں گے۔" اس کے بعد انھوں نے اپنی مرصّع گالیاں شروع کر دیں۔

اتنے میں انور علی دیوانجی کو لے کر ڈیوڑھی میں آیا۔ بی رحیمن نے کہا: "کیوں دیوانجی تم بوڑھے تو ہو گئے لیکن ذرا بھی سمجھ نہ آئی! تم نے انور میاں کو اندر تو بھیج دیا لیکن سمجھا کر نیگ وغیرہ کے روپے نہیں دیئے۔"

نواب سکندر جاہ کے یہاں دیوانجی کا طوطی بولتا تھا۔ ہر چیز کے مالک بنے

بیٹھے تھے. بھلا کس کی مجال تھی جو ان کے سامنے ذرا بھی دم مار سکے خود نواب صاحب تک ان کا لحاظ کرتے تھے لیکن اگر ان کی کور دبتی تھی تو بی مغلانی سے، اس لئے کہ نواب سکندر جاہ تمام عقلمند انسانوں کی طرح اپنی بیگم سے بہت ڈرتے تھے، اور شوکت آرا بیگم بی مغلانی کے زیر اثر تھیں.

بی مغلانی کی اس للکار پہ دیوان جی سر کھجا کر کہنے لگے " مجھ سے انور میاں نے روپے مانگے ہی نہیں!" بی مغلانی گرج کر بولیں" وہ تو بچہ ہے ان باتوں کو کیا سمجھے خیال تو تم کو لازم تھا۔ لاؤ بیگم صاحبہ نے تمھیں کیا دیا ہے میرے حوالے کرو۔ تم نے تو ہماری ناک کٹوانے کی بات کی تھی "!

دیوان جی اس خیال میں تھے کہ اگر رات بھر نیند حرام کی ہے تو کیا ایک آدھ اشرفی بچ ہی جائے گی لیکن بی مغلانی نے کریال میں غلّہ لگایا۔ دیوان جی نے چپکے سے دس اشرفیاں چند نوٹ اور کچھ روپے بی مغلانی کے حوالے کئے اور اُلٹے پیروں واپس آئے۔ ورنہ شاید بی مغلانی دو چار صلواتیں اور بھی سُناتیں۔

بڑی بی نے دیوان جی سے رقم لے کر گنی، اور اپنے بٹوے میں رکھی۔ ایک اشرفی انور علی کو دی کہ بیٹا ان ڈومنیوں کو گالیوں کا حق دیدو۔

انور علی سے اشرفی وصول کر کے ڈومنیاں گاتی ہوئی آگے بڑھیں، اور اُن کے پیچھے انور میاں تھے۔ دوسری ڈیوڑھی پہ سروری بیگم چند دوسری خواتین کے ہمراہ موجود تھیں، انور علی نے جھک کر سلام کیا۔ سروری بیگم نے دُعا دیکر سینہ سے لگایا اور ڈومنیوں سے ہنس کر بولیں "تم لوگ میرے بھتیجے کو کیوں پریشان کر رہی ہو؟"

میراثنوں نے جواب دیا" اے بیگم صاحب! بڑی منتوں، مُرادوں کے بعد تو اللہ میاں نے یہ دن دکھایا ہے کہ دلہن کا بھائی اپنی بہن کو لینے کے لئے ہمارے

یہاں آئے، پھر آخر اسے کچھ تحفہ بھی تو ہمارے یہاں سے ملنا چاہیے کہ خالی خولی اپنی بہن کو لے کر چلا جائے۔"

سردری بیگم ہنس کر خاموش ہوگئیں۔ ایک عورت نے انور علی کو شربت پلایا۔ بی مغلانی سایہ کی طرح ساتھ تھیں ان کے اشارہ پر انور علی نے پانچ اشرفیاں طشتری میں رکھدیں۔

خدا خدا کر کے ڈیوڑھیاں طے ہوئیں اور انور علی نے اندر قدم رکھا۔ نجمہ کی آنکھیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں، رات میں اگر سعید کی محبت نے اس کے دل پر اپنا نیا سکہ جما لیا تھا تو اس وقت پھر میکے کی تڑپ تھی۔

ناشتہ تیار تھا، مناسب یہی معلوم ہوا کہ انور میاں اپنی بہن کے ساتھ ناشتہ کریں چنانچہ وہ بی مغلانی اور میکے کی دوسری خادماؤں کے ساتھ اندر کمرے میں داخل ہوئے نجمہ کی صورت دیکھ کر ادھر انور میاں کی باچھیں فرطِ مسرت سے کھل گئیں۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر "میری آپا جانی" — یہ کہتے ہوئے دوڑے اُدھر سے نجمہ "میرا بیرن پیارا" کہہ کر بیتابی کے عالم میں مسہری سے اُتری، دوڑ کر انور علی سے لپٹ گئی۔ آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہو گئے۔ جب دل کی بھڑاس ذرا کم ہوئی تو نجمہ نے پوچھا "انو میاں! اماں جان تو اچھی ہیں؟"

دنیا میں ماں بھی کیا چیز ہے،

انور علی سے اثبات میں جواب پاکر اُس نے اپنے باپ کے اور دوسرے متعلقین کو پوچھا اور پھر کہنے لگی۔

"انو میاں! تم نے بہت دیر کر دی۔ میں سمجھتی تھی کہ تم نماز ہی کے وقت آجاؤ گے"۔

انور علی نے جواب دیا "بجی اماں تو بارہ بجے رات ہی سے انتظام کر رہی تھیں۔

مجھ کو بھی انھوں نے جلدی جگا دیا تھا۔ لیکن بازار سے کچھ چیزیں مگانے میں دیر ہوگئی۔"
نجمہ :۔ امّاں جان مجھے یاد تو بہت کرتی ہوں گی ؟
انور :۔ ساری رات روتی رہیں۔

ماں کی محبت کا حال سُنکر نجمہ تڑپ گئی۔ اُس کے جس دل پہ رات کو سعید نے قبضہ کرلیا تھا اس میں میکے کی محبت کا شعلہ دوبارہ بھڑکا اور نجمہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

انور علی نے کہا "آپا جان ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔ اب چلنے کا انتظام کیجئے۔"
نجمہ انور علی کی اس بات کا جواب کیا دیتی۔ اس نے بی مغلانی کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور خاموش ہو رہی۔

بی رحیمن نے کہا "تم دونوں بھائی بہن کچھ ناشتہ کرلو پھر چلنے کی تیاری کریں۔"
نجمہ کو اس وقت بھوک کہاں تھی۔ صبح رفع حاجت کے واسطے بھی نہ گئی تھی۔ باوجودیکہ سروری بیگم کو اپنی نئی بہو کی آسائشوں کا بہت خیال تھا اور مقابلتاً وہ روشن خیال خاتون بھی تھیں۔ لیکن ہندوستان کی دلہن ـــــ نہ جانے تیری تکالیف کا کس دن خاتمہ ہوگا۔ نہ صبح اُن کو ہی خیال رہا اور نہ خورشید جہاں بیگم کو۔ اس قدر سمجھداری کے باوجود اتنی مہلت نہ ملی کہ نجمہ کے لئے رفع حاجت کا انتظام کردیتیں۔

افسوس ہے کہ شریف ہندوستانی گھروں میں نئی نویلی دلہن کو مختلف تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ باوجودیکہ پرانے رسم و رواج میں اب بہت کچھ اصلاح ہو رہی ہے لیکن ابھی صورت حال مزید اصلاحات چاہتی ہے۔

نجمہ کو خدا کے فضل سے ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال شوہر ملا تھا، وہ ایسے خاندان میں بیاہ کر آئی، جہاں حیدر آبادی اثرات کی وجہ سے اودھ کی زیادہ پابندی نہ تھی لیکن آخر تھی تو ہندوستان کی دلہن اسے کامل آسائش کس طرح مل سکتی تھی۔

ناشتہ کرنے کو نجمہ کا جی نہ چاہتا تھا، تاہم بی مغلانی کے اصرار سے اس نے چند نوالے بدقت کھالیے۔ اس وقت اسے اپنے میکے کی یاد تھی اور اگر اس کے پر ہوتے تو وہ اُڑ کر میکے پہنچتی اور ماں کے سینے سے لگ جاتی۔ تھوڑی دیر کے بعد بی رحیمن نے سروری بیگم سے اجازت طلب کی، انھوں نے رسماً نہیں بلکہ اخلاقاً روکا کہ ظہر کے وقت تک کھانے پینے سے فارغ ہو کر چلے جانا۔ لیکن انور علی کے مؤدبانہ اصرار اور بی رحیمن کی سرگوشیوں سے مجبور ہو کر اجازت دے دی۔ اُن کی یہ خواہش ضرور تھی کہ نجمہ کا گوری سے لکھنؤ تک پینس پر جائے۔ لیکن نواب حشمت یار جنگ نے دلہن کے آرام کا خیال کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا کہ دلہن کو موٹر ہی پر لے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ بی رحیمن اور دوسری خادماؤں نے جلدی جلدی سامان درست کیا۔ خاندان کی مستورات نے دلہن کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ چلتے وقت بی رحیمن نے نجمہ کو سلام کرنے کا اشارہ کیا۔ نجمہ لاکھ تعلیم یافتہ ہو لیکن پھر بھی اودھ کی لڑکی تھی ــــ دل پہ پتھر رکھ کر شرماتے ہوئے اپنی خوشدامن کے سلام کو اُٹھی۔

سروری بیگم نہال ہو گئیں۔ بہو کی چٹ چٹ بلائیں لیں اور لاکھوں دعائیں دیکر چند اشرفیاں دلہن کو دیں۔ موٹر پہلی ڈیوڑھی کے پاس لگائے گئے۔ چاروں طرف قناتیں گھری تھیں۔ اور مستورات نے نجمہ کو موٹر میں بٹھا دیا۔ نجمہ نے بیٹھ کر کن انکھیوں سے موٹر کا جائزہ لیا۔ سروری بیگم کے سلیقہ پر دل میں عش عش کرنے لگی۔ ضرورت کی تمام چیزیں مثل پانی، پان وغیرہ موٹر میں پہلے سے موجود تھیں۔

اس نے اپنی زندگی کی پہلی انقلابی شب میں بہت کچھ باتیں سیکھ لی تھیں۔ اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ نئی دلہن کو کن کن باتوں سے آرام ملتا ہے اور شریف گھرانوں میں ابھی کون کون سی باتیں اصلاح طلب ہیں۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو رہا تھا

کہ وقت آنے پر اسے بے زبان نئی دلہنوں کی آسائش کے لئے سرگرمی کے ساتھ کوشش کرنا چاہیئے۔ نجمہ تعلیم یافتہ تھی۔ ذہین تھی اسی لئے ایک ایک بات پر غور کر رہی تھی اور کیا معلوم کہ نجمہ کی سرگزشت اور اس کے تجربات سے کتنی معصوم ہندوستانی لڑکیوں کو کس قدر فائدہ پہنچے گا۔

قناتیں ہٹا دی گئیں مستورات اندر چلی گئیں۔ ڈرائیور نے ہارن بجائے اور موٹریں کاکوری سے لکھنؤ روانہ ہو گئیں۔ نجمہ ابھی لکھنؤ سے کئی میل کے فاصلے پر تھی لیکن اس کا دل اپنی ماں کے دامنِ شفقت میں چھپا ہوا تھا۔

غنچۂ حسن کی ناشگفتگی

شوکت آرا بیگم بیتابی کے عالم میں یہ کہہ کر دروازہ کی طرف لپکیں: "ارے کوئی دیکھو تو کیا میری بجمہ آگئی؟"

مہری نے دست بستہ عرض کی: "سرکار ابھی تو انور میاں شہر کی حد سے بھی باہر نہ نکلے ہوں گے۔"

جس وقت سے انور علی لکھنؤ سے روانہ ہوا تھا اسی وقت سے شوکت آرا بیگم کے کان دروازے پر تھے۔ ذرا سی بھی آہٹ ہوتی تو یہ سمجھتیں کہ کاکوری سے سواریاں آگئیں۔ چند گھنٹوں کا کاٹنا ماں تاکی ماری شوکت آرا بیگم کے لئے جوئے شیر کاٹنے سے کم نہ تھا۔ کبھی بگڑ کر کہتیں:-

"واہ بی مغلانی، تم کو بھی میری بے تابی کا خیال نہ ہوا، خوب مزے میں بیٹھ رہیں۔"

کبھی جھلا کر کہتیں: "یہ خدائی خوار دیوان تو کسی مرض کی بھی دوا نہیں ہے۔ موا ابھی اطمینان سے بیٹھا حقہ پی رہا ہوگا۔ آگ لگاؤں اس کے حقہ میں نگوڑا ناٹھا ——— اس کے کوئی اولاد ہوتی تو پھر مزا جانتا۔

دیکھو میں نے انور علی کو کتنا کتنا سمجھا دیا تھا کہ بیٹا اپنی بہن کو لے کر فوراً ہی چلے آنا لیکن اُس نے بھی دیر کر دی۔"

ڈیوڑھی سے سڑک تک خادمائیں اور ملازم متعین تھے کہ جس وقت موٹر نظر آئیں فوراً ہی شوکت آرا بیگم کو مطلع کریں۔

لکھنؤ سے کاکوری کوئی ٹیکے ڈولی پر نہیں ہے۔ اتنی دور جانا اور پھر آنا ——
لیکن شوکت آرا بیگم اپنی ماتا کی آگ میں اس بعدِ مکانی کو جلا ڈالنا چاہتی تھیں۔
—— خدا خدا کر کے موٹروں کی صورت نظر آئی۔ ملازموں نے دوڑ کر خادماؤں
کو اطلاع دی۔ خادمائیں شوکت آرا بیگم کو یہ خوش خبری سُنانے کے لئے
ہانپتی کانپتی دوڑیں۔ اتنا سُننا تھا کہ شوکت آرا بیگم جھٹ سے سجدے میں گر پڑیں
اور فرطِ مسرت میں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ——————

ہائے ماں کی ماتا —————— اتنی ہی سی دیر کے لئے نہ جانے کتنی منتیں
تھیں اور کتنی مرادیں!

نجمہ اپنے اُس گھر میں اتری۔ جہاں اس نے اپنی زندگی کی سولہ منزلیں طے
کی تھیں۔ بے قرار ماں نے دوڑ کر بیٹی کو اپنے کلیجہ سے لگایا۔ گلابی جاڑوں میں ساون
بھادوں کی جھڑی لگی۔ شوکت آرا بیگم کے دل نے کہا "میں نجمہ کو اپنے اندر چھپا لوں
گا"۔ ان کی آنکھیں بولیں کہ "ہم آج طوفان نوح کا مقابلہ کریں گے"!

دل کی بھڑاس ذرا دیر میں نکل گئی۔ خوشی کے رومال نے آنکھوں کو آنِ واحد
میں خشک کر دیا۔ قانونِ قدرت کے سامنے نہ دل کی چلی اور نہ آنکھوں کی۔

گھر میں چہل پہل ہو گئی۔ نجمہ کو اطمینان سے بیٹھنا کہاں نصیب' ایک
ایک اس سے ملنے کے لئے آتا تھا اور وہ بھی خوش خوش سارے گھر میں اس
طرح پھر رہی تھی جیسے بلبل کو قفس سے چھوٹنے کے بعد اپنے نشیمن تک رسائی
نصیب ہوئی ہو۔

بی رحیمن کی زبان سروری بیگم کی تعریفوں سے خشک ہو رہی تھی، انور میاں
خوش ہو ہو کر اپنی تعریف آپ ہی کر رہے تھے کہ میں آپا جان کو کس قدر جلدی
لے آیا۔ باہر دیوان جی لمبے چوڑے الفاظ میں اپنی کارگزاریاں بیان کر رہے تھے

اور ـــــ اس وقت تو حقے کی بھی یاد نہ تھی۔

ـــــ حوائجِ ضروری سے فارغ ہو کر نجمہ نے کھانا کھایا۔ آرام کرنے کے لئے اپنی مسہری پر لیٹی۔ سہیلیوں نے گھیر لیا۔ اختر جہاں نے ہنس کر کہا: "بہن مبارک ہو ـــــ اب نہاؤ گی کب؟"

حمیدہ ہنس کر بولیں: "جلدی بتاؤ آخر ہم ہی کو نہلانے کا انتظام کرنا ہے۔"

نجمہ نے مسکرا کر جواب دیا: "ایسی کون گرمی پھٹی پڑتی ہے کل ہی تو نہائی تھی۔ آج میرے سر میں درد ہے اور تکان بھی بہت ہے، میں تو نہیں نہاؤں گی۔"

قمر آرا:۔ اوئی بڑی پڑھی لکھی مسئلے مسائل سے واقف، نہاؤ گی نہیں؟

نجمہ:۔ نہانے سے مسئلے مسائل کا کیا تعلق ہے۔ میں ہندو تو نہیں ہوں جو بغیر اشنان کئے کھانا نہ کھا سکوں؟

اختر جہاں:۔ ہاں ہاں! جانتے ہیں کہ تم مسلمان ہو جب ہی تو نہانے کے لئے کہہ رہے ہیں۔

نجمہ:۔ کیا مسلمان کے لئے روزانہ غسل فرض ہے؟ اور پھر ایسی حالت میں بھی کہ سر میں درد ہو رہا ہو!

حمیدہ نے ہنس کر کہا: "روزانہ غسل فرض تو نہیں لیکن شرعی ضرورت سے۔"

نجمہ:۔ تو آخر مجھے کیا شرعی ضرورت ہے؟

اختر جہاں:۔ ایسی ننھی جیسے کچھ جانتی ہی نہیں، رات بھر کسی کے پہلو میں سو کر آئی ہو۔

نجمہ:۔ تو کیا پہلو میں سونے سے غسل فرض ہو جاتا ہے؟

حمیدہ:۔ مجھ سے پوچھو! میں بتاؤں ـــــ جس بات کے لئے شوہر اپنے پہلو میں سُلاتا ہے۔ اس سے غسل فرض ہو جاتا ہے ـــــ کیا تم اتنا مسئلہ بھی

نہیں جانتیں؟

نجمہ نے ہنس کر کہا "لیکن صرف سونے سے تو غسل لازم نہیں ہوتا"

اختر جہاں:۔ چلو مجھے چٹکیوں میں نہ اُڑاؤ۔ تخت کی رات تم نے سو کر ہی تو گزاری؟

نجمہ:۔ اچھا تو کیا جاگ کر گزاری؟

حمیدہ:۔ نہیں نہیں، میں جانتی ہوں آپ بڑی شرم والی ہیں۔ لیکن کسی دوسرے نے تو آپ کو تمام رات جگایا۔

نجمہ:۔ اچھا یونہی سہی میں تمام رات جاگتی رہی یا مجھے کوئی تمام رات جگاتا رہا تو کیا جاگنے سے غسل کی شرعی ضرورت پیدا ہو جاتی ہے؟

قمر آراء:۔ آخر تم کیوں جاگیں؟ یا تمھیں کیوں جگایا گیا؟

نجمہ نے ہنس کر جواب دیا "باتیں کرنے کے لئے"

حمیدہ:۔ تو پھر صاف صاف کیوں نہیں کہتیں ——— یوں کہو تم اب تک کنواری ہو"

نجمہ نے ہنس کر کہا" اب میں کنواری کہاں رہی۔ پرسوں شب میں تمھارے سامنے میرا نکاح ہوا تھا اور کل اس گھر سے رخصت بھی ہوئی تھی"

حمیدہ:۔ لیکن خصم نے تم کو ہاتھ نہیں لگایا؟'

نجمہ:۔ یہ بھی کہنا جھوٹ ہے کہ ہاتھ نہیں لگایا ——— ہاتھ تو ضرور لگایا۔

اختر جہاں:۔ اب میں صاف صاف پوچھوں؟ یہ بتاؤ جا بیجا بھی ہاتھ لگایا؟

نجمہ:۔ جا و بیجا کا کیا سوال؟ عورت کے جسم پر مرد کا ہاتھ لگنا ہی بیجا ہے۔

حمیدہ :۔ دیکھو ایک ہی رات میں یہ بے شرم ہو گئیں۔ اب بغیر صاف صاف پوچھے نہ بتائیں گی۔ نجمہ بہن سنو! تمھارے جسم کے بعض اعضا تو ایسے ہیں۔ جیسے ہاتھ منہ، سر کہ چچا جان بھی ہاتھ لگا سکتے ہیں لیکن بعض اعضا ایسے ہیں ——— نام گناؤں ——— جنھیں سوائے شوہر کے کوئی دوسرا شخص ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ یہ بتاؤ تمھارے دولھا نے اُن اعضا پر بھی ہاتھ لگایا؟ ——— مگر سچ سچ بتانا جو جھوٹ بولے تو مجھی کو روئے۔

نجمہ نے شرما کر جواب دیا" ہاں ہاتھ تو لگایا"

اختر جہاں :۔ تو پھر غسل کیوں نہیں کرتیں؟

نجمہ :۔ ہمارے مذہب میں آسانیاں بہت ہیں۔ محض ہاتھ لگانے سے غسل کی شرعی ضرورت نہیں ہوتی۔

حمیدہ :۔ تو یہ کہو رات بھر خوب پیار اخلاص ہوئے۔ دولھا کے ہاتھوں نے جسم کا جائزہ لیا مگر کچھ ہوا نہیں؟

نجمہ :۔ جو کچھ سمجھو۔

قمر آرا :۔ اور سمجھیں کیا؟

اختر جہاں :۔ اے ہے تمھارے دولھا کو کوئی بیماری تو نہیں؟

نجمہ :۔ جہاں تک میں سمجھ سکتی ہوں ہرگز نہیں۔

حمیدہ :۔ پھر تم بچیں کیسے؟

نجمہ :۔ انھوں نے میرے جذبات کا احترام کیا۔ جانتے تھے پریشان ہے۔ تھکی ہوئی ہے، اس کو آرام دینا چاہیئے۔ ورنہ جو کچھ میں نے تم لوگوں کی زبانی سُنا ہے اُس سے میری تکلیفوں میں اور اضافہ ہو جاتا۔

قمر آرا :۔ آج تو ہم نے ایک نئی بات سُنی ہے۔ تخت کی رات دولھا اپنی دلہن

یہ تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

نجمہ :۔ اب سمجھ میں آجائے گا۔

اختر جہاں :۔ وہی تو مجھے حیرت تھی کہ نجمہ موٹر سے گھوڑی کی طرح اچھلتی کودتی کیسے اتریں۔ میں تو کئی دن تک چلنے پھرنے کے قابل نہ رہی تھی۔

قمر آرا :۔ اور تمھیں میرا قصہ یاد نہیں۔ زبیدہ کے باپ نے سہاگ رات میں وہ بدعت کی تھی کہ میری جان کے لالے پڑ گئے تھے۔

حمیدہ :۔ اے ہاں یاد کیوں نہیں ہے اور دنیا میں ہوتا ہی ہے۔

نجمہ :۔ ہوتا ہوگا۔ میں تو ان مصیبتوں سے بچی رہی۔

حمیدہ :۔ بس اب رہنے بھی دو۔ منہ نہ کھلواؤ۔ بچی کیا رہیں۔ کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔

نجمہ :۔ آخر دال میں کیا کالا ہے؟

قمر آرا :۔ میاں اس لایق ہی نہ ہوں گے۔ ابھی تو ہنس رہی ہو بیوی پھر ساری عمر سر پہ ہاتھ دھر کر روؤگی۔

نجمہ : تمھارے بیان کے مطابق تم ہی شادی کے بعد روئی تھیں۔

قمر آرا :۔ سہاگ رات میں روئی تو کیا ہوا۔ اس کے بعد اتنی عمر ہنسی خوشی میں بھی تو گزاری، خدا نے میری گود بھی تو بھر دی۔

اختر جہاں :۔ اب شرم کا کوئی کام نہیں۔ تم اپنی شب عروسی کا حال تو سناؤ۔

نجمہ نے ہنس کر جواب دیا۔ میں کچھ نہیں سناتی۔ جب وقت آئے گا تو اپنی نئی زندگی کے تجربے لکھ کر دیدوں گی۔"

حمیدہ : آخر اب بھی تو کچھ معلوم ہو ورنہ ہم بوڑھیوں سے جا کر کیا کہیں گے؟

نجمہ :۔ تو کیا یہ بھی بتانے کی ضرورت ہوتی ہے ؟

قمر آرا :۔ اور نہیں تو کیا۔ یہ سُن کر کہ تم تخت کی رات جیسی تھیں ویسی ہی رہیں۔ گھر میں سب کو فکر ہو جائے گی ۔

نجمہ :۔ آخر اس میں فکر کی کیا بات ہے ؟

حمیدہ :۔ کیوں بات نہیں، تمام عمر کا معاملہ ہے ۔

اختر جہاں :۔ اس بات کو اچھا نہ سمجھنا۔ چند روز کے بعد تم کو حقیقت معلوم ہو گی۔ عورت کے دل میں نئی نئی خواہشیں پیدا ہوتی ہیں اور اگر شوہر اُس کی خواہشوں کو پورا نہ کر سکے تو بڑی بدنامیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔

قمر آرا :۔ تم آخر کچھ حال بتاؤ تو، ہم لوگ اندازہ کر سکیں ۔

نجمہ :۔ کیا بتاؤں، مجھ سے تو اس قدر بے شرمی ہوتی نہیں، رات بھر اُن کے سینہ میں نئی نئی تمناؤں کا ہجوم رہا۔ میرے لئے ایک منٹ سونا بھی مشکل تھا، اور اگر صاف صاف پوچھتی ہو تو سنو ! مجھے رات بھر نہ سونے سے راحت ہی ملی تکلیف نہیں ہوئی۔ مجھے بھی ان کی چھیڑ چھاڑ سے لطف آ رہا تھا، اور نہ جانے میرا دل اندر سے کیسا ہوا جاتا تھا ۔

حمیدہ نے ہنسکر کہا " یہ جو تم کہہ رہی ہو کہ میرا دل اندر سے نہ جانے کیسا ہوا جاتا تھا اس کو عورت کی خواہش کہتے ہیں اور یہی بڑھتی ہے۔ اگر خدانخواستہ تمھارے دولھا میں کوئی خرابی ہے تو ساری عمر پریشان ہو گی "

نجمہ :۔ وہ مجھ سے وہ بات کرنا چاہتے تھے جو پہلی رات میں تمھارے ساتھ ہوئی تھی اور اس کے لئے بالکل تیار ہو گئے تھے۔ اگرچہ کہتے شرم آتی ہے مگر تم اصرار کرتی ہو۔ بڑی بے شرمی کی بات ہوئی۔ اُنھوں نے مجھ کو بے ستر کر دیا ۔

اختر جہاں :۔ اور تم بچ گئیں ! "

نجمہ :۔ ہاں میری پریشانی اور اضطراب کو دیکھ کر وہ اپنے ارادہ سے باز رہے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ "جب تک تمھاری جھجک مٹ نہ جائے گی میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گا۔"

حمیدہ :۔ خدا کی قسم یہ تو عجیب و غریب داستان ہے۔ جب میں اپنی حالت پر غور کرتی ہوں تو تعجب ہوتا ہے۔

نجمہ :۔ پرسوں رات میں تم نے مجھے اپنی شب عروسی کا حال تو سنایا تھا اگرچہ زیادہ وضاحت کے ساتھ نہیں لیکن قمر آرا کی داستان بھی سننا چاہیئے کہ آخر انھیں کیا تکلیفیں ہوئی تھیں۔

قمر آرا :۔ اب ان باتوں کو دہرانے سے کیا فائدہ!

نجمہ :۔ فائدہ کیوں نہیں ہے، ان واقعات سے نہ جانے کتنی بے زبان لڑکیوں کو فائدہ پہنچے گا۔

قمر آرا :۔ آخر کچھ معلوم بھی تو ہو کہ کیا فائدہ پہنچے گا؟

نجمہ :۔ بہن تم سے پردہ کیا۔ میں صبح سے سوچ رہی ہوں کہ اپنی اس نئی زندگی کے تمام تجربات لکھ کر شائع کروں گی تاکہ لوگوں کو اچھی باتیں بھی معلوم ہو جائیں اور بری باتیں بھی۔ میرے تجربات میں جو باتیں اچھی ہوں ان پر نئے دولھا دلہن عمل کریں اور جو باتیں بری ہوں ان کو ترک کریں۔

حمیدہ :۔ خدا کی قسم تمھارا خیال تو بہت اچھا ہے۔ خدا کے فضل سے لکھی پڑھی ہو۔ ایف۔ اے۔ بی۔ اے پاس ہو تم لکھو گی تو خوب۔

نجمہ :۔ اسی لئے تو قمر آرا آپا کی داستان بھی سننا چاہتی ہوں کہ اگر اس میں کوئی بات برائی کی ہو تو میری سرگزشت کے پڑھنے والے نوجوان زن و شوہر اس سے بچیں اور ان کے کان ہو جائیں۔

قمر آرا :- اور جو کہیں تمھارے دولھا بھائی نے یہ کتاب دیکھ لی ؟
نجمہ :- تو کیا میں ایسی بچّہ ہوں جو اپنی کتاب میں سب کے ٹھیک ٹھیک نام اور پتّے لکھ دوں گی۔ قصہ کے رنگ میں سب کے فرضی نام ہوں گے اور فرضی مقامات۔

حمیدہ :- بات تو معقول ہے۔

اختر جہاں :- تمھیں ایسی کتاب ضرور لکھنا چاہیئے۔

نجمہ :- ہاں قمر آرا! تو اپنی داستانِ عروسی سُناتی ہو؟

قمر آرا :- داستان سُنانے کا یہ کون وقت ہے۔ ذرا دیر میں چوتھی کی تیاری شروع ہو جائے گی۔ تمھاری سسرال سے مہمان پہنچ جائیں گے۔ سارا انتظام کرنا ہے۔

نجمہ :- لوگ کہیں شام تک آئیں گے۔ ابھی بہت دیر پڑی ہے۔ شرم کی کوئی بات نہیں یہ میں جانتی ہوں کہ قدرت کی طرف سے جو بات مقرر ہے وہ ہو کر رہے گی۔ آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں۔ میں بچ سکتی نہیں۔ اس لئے چاہتی ہوں کہ تمھاری داستانِ عروسی سُن کر اُس کی روشنی میں اپنے حالاتِ شب کا مطالعہ کر سکوں۔

اختر جہاں :- اور مجھے بھی تمھاری داستان سُننے کا بہت اشتیاق ہے۔ اس لئے کہ تمھاری شادی کے وقت میری عمر کم تھی۔ میں نے صرف اتنا سُنا تھا کہ تم اپنی سسرال سے بیمار ہو کر واپس آئیں۔ میرے پوچھنے کی اُس وقت بات نہ تھی۔ کس سے پوچھتی۔

قمر آرا :- اگر میری داستانِ عروسی سے بہن نجمہ یا دوسری لڑکیوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہو تو مجھے سُنانے سے انکار نہیں۔ لیکن ان تلخ باتوں کو اب بھی جب یاد کرتی ہوں تو کلیجہ پر چھریاں چل جاتی ہیں۔

حمیدہ :- باوجودیکہ تمھارا اور میرا ساتھ بہت رہا لیکن اپنی داستان تو تم نے آج تک مجھ کو بھی تفصیل کے ساتھ نہ سُنائی۔

قمر آرا :- کیا سُناتی۔ کچھ سُنانے کی بات بھی ہو۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تخت کی رات کی ہر لڑکی کے ساتھ یہی بات ہوتی ہے۔ آج نجمہ کا حال سُنکر آنکھیں کھُلیں کہ دنیا میں سمجھدار دولھا بھی ہوتے ہیں۔ اچھّا اگر تم لوگوں کا اصرار ہے تو میری دردناک کہانی سُن لو۔

باغِ شباب کی کلیاں اور بے رحم گلچیں کی داستانِ ستم

کمرے کے دروازے بند کرلئے گئے تھے۔ نجمہ۔ حمیدہ اور اختر جہاں ہمہ تن گوش بنی ہوئی تھیں۔

قمر آرا نے اپنی داستانِ عروسی شروع کرتے ہوئے کہا: "میری شادی کو چھ سال ہو گئے، جس وقت میری شادی ہوئی ہے۔ میں پندرھویں برس میں تھی۔ بسم اللہ کے گنبد میں پلی تھی، دنیا کی کوئی بات معلوم نہ تھی۔ میری سہیلیوں میں بھی اس وقت کسی شادی نہ ہوئی جو سنی سنائی بات کانوں میں پڑی رہتی۔ میں سچ کہتی ہوں کہ شادی کے وقت تک مجھے زن و شوہر کے تعلقات کا ذرّہ برابر علم نہ تھا۔ رخصت سے کچھ دیر پہلے میری بڑی بھاوج اور ایک بوڑھی مغلانی نے مجھ کو سمجھایا کہ دولھا سے زیادہ باتیں نہ کرنا اور اگر وہ کوئی بات کریں کو چلّا نا مت۔ مجھ سے قسم لے لو جو مجھے یہ معلوم ہو کہ "کوئی بات" سے میری بھاوج یا مغلانی کی مراد کیا ہے۔

میں رخصت ہو کر سسرال کیا پہنچی۔ میری جان آفت میں آگئی۔ میرا منہ دیکھنے کے لئے عورتیں ایک پر ایک ٹوٹی پڑتی تھیں۔ کئی لڑکیاں تو میرے اوپر گر پڑیں اور میری پشت و گردن میں بہت چوٹ آئی۔ ایک عورت کا ہاتھ میرے پتّوں میں لگا سارا کان لہولہان ہو گیا۔ ایک بیوی کی عنایت سے ناک زخمی ہوئی۔ منہ دیکھنے کی کوشش میں اُن کے دوپٹہ کا آنچل میری نتھ کی گونج میں پھنس گیا۔ اُچک کر جو بھاگیں تو نتھ ان کے دوپٹے کے ساتھ کھنچی۔ ناک سے خون جاری ہوا۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ خدا کی قدرت کے قربان جایئے۔ اُس

نے خیر کی، ایک عورت نے جھٹ سے اُن جلد باز بی بی کا دوپٹہ پکڑ لیا ورنہ میری ناک چر جاتی۔

ہائے ہندوستانی دلہن کی شرم، اس قدر سخت تکلیف کے باوجود بھی میں زبان سے اُف نہیں کر سکتی تھی۔ جو کچھ دل پہ گزر رہی تھی اس کا علم خدا کو ہے۔

میری تکلیفوں کا اس منزل پر خاتمہ نہیں ہو گیا بلکہ غالباً قصبہ کی کسی غیر عورت نے ایک عجیب غریب طریقہ پہ میرے شرمیلے پن کی آزمائش کی یعنی اُس نے میرے بازو میں سوئی بھونک دی۔ میں نے دل پہ پتھر رکھ کر ضبط کیا۔ بہن! خدا جانتا ہے جی سنسنا رہا تھا۔ وہ تکلیف مجھے آج تک یاد ہے۔

ناک زخمی، کان زخمی، اور بازو زخمی۔ سسرال پہنچتے ہی مجھ کو یہ انعام ملا۔ خدا خدا کر کے منہ دکھائی ختم ہوئی اور میں عروسی کے کمرے میں پہنچا دی گئی۔ یہاں میری ایک خادمہ کے سوا کوئی دوسرا موجود نہ تھا۔ میں نے اس کو کمرہ بند کرنے کا اشارہ کیا اور گھونگھٹ ہٹا کر اپنی زخمی ناک اور لہولہان کان ملازمہ کو دکھائے۔ اُس نے آہ بھر کر کہا۔ "بیٹی! چپ رہو۔ دلہنوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے۔" اس کے بعد اُس نے کپڑے سے خون صاف کیا لیکن کسی طرح درد میں کمی نہ ہوتی تھی۔ بازو تو پھٹا پڑ رہا تھا۔ جب میں نے اُس کو اپنے بازو میں سوئی پیوست ہونے کا حال سُنایا تو اس نے کہا کہ "بیٹی! اب تو بہت خدا کا فضل ہے ورنہ ہمارے زمانے میں تو کڑکڑاتے جاڑوں میں دلہن کو باسی پانی سے نہلا کر اُس کے شرمیلے پن کی آزمائش کرتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ اگر ان تکلیفوں میں لڑکی کی سانس بھی نکل جاتی تو سارے کُنبے میں رسوائی ہوتی تھی!"

میں تو سمجھتی تھی کہ تنہا کمرے میں مجھے کچھ دیر سکون حاصل ہو گا لیکن چند ہی منٹ کے بعد کسی نے دروازے پر دستک دی۔ خادمہ نے میرا گھونگھٹ ٹھیک کر کے دروازہ

کھولا معلوم ہوا کہ دولھا اندر آتا ہے۔ میں نے اپنی ملازمہ سے گھبرا کر پوچھا کہ وہ کیا کریں گے، اُس نے مجھے دلاسا دیتے ہوئے کہا کہ "بیٹی! اس آزمائش میں بھی ثابت قدم رہنا۔"

میں :- کیا اب اور کوئی آزمائش ہوگی؟

خادمہ :- سب سے بڑی آزمائش تو یہی ہے۔

میں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر پوچھا "کیا ہوگا؟"

خادمہ نے جواب دیا "اپنے دولھا سے تم زیادہ باتیں نہ کرنا اور جو کچھ وہ کریں، کرنے دینا، زبان سے اُف نہ نکلے ورنہ جگ ہنسائی ہوگی۔"

میں :- آخر وہ کیا کریں گے؟

خادمہ :- اب میں کیا بتاؤں بس اتنا کہے دیتی ہوں کہ جو کچھ وہ کریں کرنے دینا۔ بے شرمی کی باتیں ہوتی ہیں۔

میں :- بے شرمی کی باتیں ـــــ!

خادمہ :- ہاں تمھیں سب کچھ خود ہی معلوم ہو جائے گا۔

زیادہ گفت و شنید کا موقع نہ تھا، خادمہ کمرے سے رخصت ہوئی۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ میری بنی ہوئی مسہری کے ایک گوشہ میں پڑی تھی اور آنے والی نامعلوم مصیبتوں کے تصور سے میرا سارا جسم کانپ رہا تھا۔

اتنے میں کمرہ کا دروازہ کھلا اور مجھے کسی کے قدموں کی آہٹ معلوم ہوئی میں سمجھ گئی کہ شاید وہی اندر آگئے۔ انھوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور زیر لب کچھ گنگناتے ہوئے مسہری کی جانب بڑھے۔ میرے پاس آکر کہنے لگے۔ "اخاہ آپ آرام فرما ہیں۔"

میرا دل ڈوبا جا رہا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ میں بیہوش ہو جاؤں گی۔

انھوں نے مسہری پر بیٹھ کر میرا سر اپنی جانب گھمانے کی کوشش کی۔ اُس کے بعد جھٹ پٹ گھونگھٹ الٹا اور ــــ بہن! تم جانتی ہو کہ وہ آدمی کس قدر بیباک ہیں ــــ ہنس کر کہنے لگے:۔ "معشوق تو بانکا ہے"۔

میں شرم سے پسینے پسینے ہوئی جا رہی تھی۔ وہ میرے پہلو میں لیٹ گئے اور مجھے اپنی آغوش میں لے کر چہرے پر سے میرے ہاتھ ہٹانے لگے۔ میری خادمہ نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ وہ جو کچھ کریں کرنے دینا۔ انھوں نے ذرا دیر ہی کشمکش کی تھی کہ میں نے گھبرا کر جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر سے ہٹا لیئے۔ ڈر رہی تھی کہ کہیں میرے ہاتھوں میں یہ بھی سوئی نہ گھونپ دیں۔

چہرے پر سے میرے ہاتھوں کے ہٹتے ہی انھوں نے گرمجوشی کے ساتھ میرا منہ چومنا شروع کیا ــــ میں نگوڑی ان باتوں سے کیا واقف خدا کی قسم یہ باتیں تو کبھی میرے ذہن میں بھی نہ آئی تھیں۔ مارے شرم اور غصّے کے میرا بُرا حال تھا۔ اُس وقت تک میرے خیال میں اس سے بڑھ کر بے شرمی اور بے حیائی اور کیا ہوسکتی تھی کہ ایک مرد کسی عورت کے پاس بیٹھ جائے۔ جی چاہتا تھا کہ انھیں دھکا دیکر مسہری سے نیچے گرا دوں۔

حمیدہ:۔ تو یہ کہیئے کہ آپ اپنے دولھا سے کشتی لڑنے کے لئے تیار تھیں۔

قمر آرا:۔ اس میں میری خطا نہیں۔ ہندوستانی معاشرت کی خطا ہے۔ میں نے تو بچپن سے یہی سُنا تھا کہ لڑکیاں مردوں کے پاس نہیں بیٹھتیں۔ ایک مرتبہ پانچ برس کی عمر میں اپنے باپ کے پاس سونے کی ضد کی تو میری ماں نے مجھے سمجھایا "بُری بات کہیں بیٹیاں مردوں کے پاس سوتی ہیں"۔ جوانی کے بعد لڑکیوں کو ان کی زندگی کے نئے انقلاب سے کوئی آگاہ نہیں کرتا۔ میرے فرشتوں تک کو خبر نہ تھی کہ شادی کے بعد دولھا دلہن میں کچھ خاص باتیں ہوتی ہیں۔ رخصت کے وقت اگر مجھے ان پوشیدہ

رموز سے اطلاع دی گئی تو صرف اس قدر کہ بیٹی اگر دولھا کوئی بات کرے تو چلّانا نہیں یا حجلۂ عروسی سے چلتے وقت میرے میکے کی خادمہ نے مجھے صرف اس قدر بتایا تھا کہ "دولھا جو کچھ کرے کرنے دینا" آخر مجھے کیا معلوم کہ زن وشوہر کے درمیان میں کیا نئی بات ہوتی ہے۔ میں سچ کہتی ہوں کہ مجھے جس قدر تکلیفیں ہوئیں وہ اسی ناواقفیت کی وجہ سے اور نہ معلوم صنفی معاملات سے یہی لاعلمی کتنی ہندستانی لڑکیوں کی زندگی خراب کرتی ہوگی۔"

نجمہ :- اچھا لیکچر تو چھوڑو، اپنی داستان سُناؤ۔

قمر آرا :- ہاں صاحب سنئیے : منہ چومتے چومتے نہ جانے انھیں کیا ہوگیا کہ عجب جوش کے ساتھ مجھے کاٹنے لگے۔ میرے رُخسار میں اُن کے دانت گھُس گئے اِدھر اُن کا شانہ بار بار میرے مجروح کان میں لگ کر میری تکلیفوں میں اضافہ کر رہا تھا۔ اب مجھے ضبط کی تاب باقی نہ رہی اور میں نے گھبرا کر اُن کو اپنے ہاتھ سے پیچھے ڈھکیلا۔ اب کیا تھا، ان کا جوش اور بھی بڑھ گیا۔ میں ڈیڑھ پسلی کی عورت۔ وہ ماشاء اللہ لحیم وشحیم انھوں نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنی ٹانگ میں دبا لئے اور جو کچھ جی میں آیا کرتے رہے۔ میرا بازو پہلے ہی زخمی ہو رہا تھا۔ اس طرح اب میرے بازو میں درد بڑھنے لگا۔ دوسری طرف وہ باتیں جنھیں میں علین بے شرمی خیال کرتی تھی اور جن پر موت کو ترجیح دیتی تھی۔ بس اپنی حالت تمھیں کیا بتاؤں۔ یارائے ضبط باقی نہ رہا۔ اور میری زبان سے بے ساختہ نکل گیا :-

"رحم"

بجائے اس کے کہ وہ میری درد بھری فریاد سُنتے اُنھوں نے ہنس کر کہا :-

"رحم ـــ ! رحم تو آپ کیجئے، میری حسرتوں پر میری تمنّاؤں پر، آپ شاہ حسن ہیں، میں بھکاری ہوں، حُسن کی خیرات مانگتا ہوں۔"

میں اس وقت اُن کی شاعری کی داد کیا دیتی۔ میرے لئے تو اُن کی ہر بات زہر تھی۔

انھوں نے اپنی گرمجوشی کو بدستور جاری رکھا۔ میرے دونوں ہاتھ اُن کی ران میں بدستور مقید تھے۔ کبھی مجھے اپنے سینے سے لگاتے تھے۔ کبھی ہنس کر مُنھ چومتے تھے اور نامناسب جگہوں پر ہاتھ رکھ دیتے تھے۔ انھیں نہ میری زخمی ناک کی پروا تھی نہ زخمی کان کی، اور نہ زخمی بازو کی۔ کبھی اُن کا ہاتھ میرے لہولہان کان میں زور سے لگتا تھا، کبھی اُن کے مُنھ ملانے سے میری زخمی ناک دُکھ جاتی تھی اور مجروح بازو تو ان کی ران کے نیچے ہی دبا ہوا تھا۔ بہن! خدا کی قسم میں اُس وقت اپنی موت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ ان کی آغوش سے بار بار نکلنے کی کوشش کرتی تھی لیکن جس قدر کسمساتی تھی اسی قدر ان کا جوش اور بڑھ جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ انھوں نے بہت ہی غیر مناسب مقام پر اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میں دل ہی دل میں کبھی اپنے والدین کو بُرا بھلا کہتی تھی کہ انھوں نے مجھے کس مصیبت میں پھنسا دیا، کبھی سوچتی کہ کاش زمین پھٹے اور میں سما جاؤں۔

میں نے مایوسی کے عالم میں جو زور لگایا تو میرے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے میں نے جلدی سے پوری قوت کے ساتھ اُن کو ڈھکیلا۔ اتفاق کی بات وہ بیٹھے تھے بالکل بے موقع ذرا سے سہارے پر فوراً دھڑام سے مسہری کے نیچے آرہے۔ میں ان کے گرنے سے ڈر گئی کہ اب یہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ جی میں آیا کہ زور سے چلاؤں لیکن میں نے فوراً ہی اپنے دل کو سنبھالا کہ چلانے سے کیا فائدہ۔ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ اچھا ہے وہ غصہ میں میرے پیش قبض بھونک دیں۔ جھگڑا مٹ جائے۔

وہ فرش پر گرتے کے ساتھ ہی فوراً اُٹھے اور میرے اوپر اس طرح جھپٹے جیسے

چڑیا پر باز جھپٹتا ہو۔ میں سمجھی کہ اب یہ مجھے مار ڈالیں گے۔ میں دل ہی دل میں کلمۂ شہادت پڑھنے لگی ــــ"

حمیدہ:۔ اچھا تو آپ مرنے کے لئے بالکل تیار تھیں؟

قمر آرا:۔ (ہنس کر) اور کیا۔ وہ وقت ہی ایسا تھا۔

نجمہ:۔ قمر آرا آپا! اس وقت تمھارے دل کی کیا حالت ہوگی؟ ہے ہے میرا دل تو باتیں سن کر ہی کانپتا ہے۔

قمر آرا:۔ جو شخص مرنے کے لئے تیار ہو اور جس کی آنکھوں کے نیچے موت پھر رہی ہو اس کے دل کی حالت کا کیا پوچھنا ــــ میں تو سمجھتی تھی کہ چند سانسوں کی مہمان ہوں۔ لیکن انھوں نے میری خلاف اُمید پھر مجھے اپنی گود میں دبا لیا اور پھر لگے وہی حرکتیں کرنے۔ اس مرتبہ جوش وخروش بہت بڑھا ہوا تھا۔ میں اپنے دل میں کہتی تھی کہ کس قدر بے شرم مرد ہے۔ میں نے تو اس کو مسہری کے نیچے ڈھکیل دیا اور یہ پھر اپنے اخلاص پیار سے باز نہیں آتا۔ انھوں نے پوشیدہ مقام پر پھر دوبارا دست درازی کی۔ میں نے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے کمر بند پکڑ لیا اور مایوسی اور پریشانی کے عالم میں چاہا کہ انھیں لاتیں ماروں۔ انھوں نے ہنس کر میری دونوں ٹانگیں اپنی ایک ٹانگ دبالیں۔ ایک ہاتھ سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور دوسرے ہاتھ سے جو ایک جھٹکا دیتے ہیں تو میں برہنہ تھی۔

اس وقت کی حالت نہ پوچھو دنیا میری نظروں میں تاریک تھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور میں اپنی عزّت کس طرح بچاؤں۔ ایک مرد کے سامنے عورت کا بے ستر ہونا۔ یہ بات تو کبھی میرے تصوّر میں بھی نہ آئی تھی۔ دل کی حرکت بہت تیز ہوگئی۔ نبضیں ڈوبنے لگیں، وہ آنکھیں جو شرم سے بند تھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، ہر طرف دیکھتی تھی کہ مجھے کوئی بچانے والا آجائے، آنِ واحد میں وہ بھی "خدائی پوشاک" میں ملبوس

نظر آنے لگے۔ میں نے گھبرا کر اپنا منھ دوسری جانب پھیرا اور زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"ارے یہ کیا کرتے ہو؟"

بجائے اس کے کہ ان کو میری حالتِ زار پر رحم آتا انھوں نے ہنس کر کہا۔ "آپ کے باغِ حسن کی کلیاں چنتا ہوں۔ اپنے دامن میں حسن کی بھیک لیتا ہوں آپ بادۂ شباب کی خوب صورت ساقی ہیں، میں ایک، صرف ایک چھلکتا ہوا ساغر مانگتا ہوں۔"

اس وقت مجھے اُن کا ایک ایک شاعرانہ فقرہ زہر معلوم ہو رہا تھا۔ انھوں نے کچھ اور دست درازی کی۔ میں نے رو کر کہا۔

"خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔"

وہ ہنس کر بولے۔"چھوڑ دوں۔ خدا کی دی ہوئی نعمت کو ٹھکراؤں۔ اپنی تمناؤں کا خون کر دوں۔ اپنی آرزوؤں کو خاک میں ملا دوں۔ حسرتوں کو ملیا میٹ کر دوں ــــ بھلا آپ کا یہ بھی کوئی انصاف ہے؟"

انتہائے یاس میں میرے ہوش و حواس زائل ہو گئے۔ جی چاہتا تھا کہ زور سے چلاؤں لیکن یہی خدا کا شکر ہے تشنگی کی شدت سے زبان میں کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ منھ سے چیخ نکل نہ سکتی تھی ورنہ اور بھی رسوائی ہوتی۔

مایوسی کے عالم میں میں نے پھر پوری قوت کے ساتھ کشمکش شروع کی۔ اپنے ہاتھوں کو اُن کی گرفت سے آزاد کر لیا۔ ٹانگوں کو نکالنے کے لئے بار بار جدوجہد کرتی تھی۔ جب میرے ہاتھ چھوٹ گئے تو میں نے ان کو پرے دھکیلنا شروع کیا۔ نہ جانے اس وقت مجھ میں کہاں کی قوت آ گئی تھی کہ وہ بار بار مجھے قابو میں لانے کی کوشش کرتے تھے لیکن کامیاب نہ ہوتے تھے۔ اب تو وہ بھی گھبرائے اور کہنے لگے "تم

یہ کیا کرتی ہو؟" میں نے بے ساختہ جواب دیا۔" اور تم کیا کرتے ہو"

وہ بولے:" میں تو وہی کرتا ہوں جو زن و شوہر کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اور جس کا اشتیاق ہر لبریز شباب دل میں چٹکیاں لیتا ہے۔"

میں نے جواب دیا:" میں کچھ نہیں جانتی۔"

انھوں نے جلدی سے میرے لبوں کو چوم کر کہا۔" تو اب جان جاؤ گی۔"

"میں سچ کہتی ہوں کہ اُن کے اس منھ چومنے نے میرے دل میں نفرت کی آگ اور بھڑکا دی۔ میں نے بے ساختہ کہا:" مجھے یہ بے شرمی کی باتیں نہیں آتیں۔ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو۔"

وہ:۔ اس میں بے شرمی کی کیا بات ہے؟ شادی ہوتی ہی اسی لئے ہے۔"

میں:۔ میں تو کچھ نہیں جانتی، میری حالت پر کچھ تو ترس کھاؤ۔

وہ:۔ ترس تو تم کو میری حالت پر کھانا چاہیئے، تم میری تمنّاؤں کا خون کر رہی ہو۔

میں:۔ کیسی تمنّائیں؟ میری تو جان پر بنی ہے، کاش مجھے اسی وقت موت آجائے!

اب انھوں نے ذرا کڑے تیوروں سے کہا:" تم اس طرح قابو میں نہ آؤ گی میں اب دوسرا انتظام کرتا ہوں۔ میاں بیوی کا رشتہ محبّت کا ہوتا ہے، اور تم محبّت پر جامہ سے باہر ہوتی ہو، بتا رہا ہوں کہ یہ کوئی نئی بات نہیں، دنیا میں زن و شوہر کے درمیان یہی بات ہوتی ہے اور اس میں عورتوں کو بھی بہت لُطف آتا ہے۔ تم ذرا ٹھہر تو جاؤ۔"

میں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیا:" آتا ہوگا لطف! میرا تو دم نکلا جا رہا ہے اور اگر یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تو تم کو اس قدر اضطرابی کیوں ہے

ذرا دیر مجھ کو بھی تو سکون ملے، میں بھی تو سمجھ لوں کہ آخر کیا ہوتا ہے۔"

وہ:- جب تک تم سے وہ بات کی نہ جائے تم سمجھو گی کیسے؟

میں:- آخر کچھ بتاؤ تو کیا ہوتا ہے؟

وہ یہ کہہ کر اُٹھے "اچھا ابھی بتائے دیتا ہوں" اور میز پر سے تہمد اُٹھا کر انھوں نے اس کو بیچ سے چاک کر ڈالا۔ تہمد کے ایک ٹکڑے سے انھوں نے میرا ایک ہاتھ مسہری سے باندھ دیا اور دوسرے ٹکڑے سے دوسرا ہاتھ۔ میری ٹانگوں کے اوپر وہ خود چڑھے بیٹھے تھے۔ اُن کی آنکھیں اس وقت کبوتر کے خون کی طرح ہو رہی تھیں۔ میں نے چیخنے کی کوشش کی انھوں نے جلدی سے اپنا رومال میرے مُنہ کے اندر ٹھونس دیا۔ میں مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی، دونوں ہاتھ مسہری سے بندھے ہوئے تھے۔ مُنہ میں رومال ٹھونسا ہوا تھا۔ سانس لینے میں بھی دشواری ہوتی تھی۔ میں نے مایوسی کے عالم میں "دولتیاں" جھاڑنے کی کوشش کی۔ اُن کی زبان سے نکلا "اچھا ابھی حوصلے باقی ہیں!" یہ کہہ کر انھوں نے میرے ہی دوپٹہ سے میرے دونوں پیر خوب کس کر مسہری کی پٹی سے باندھ دیئے۔ اب میں بالکل بے بس تھی نہ چیخ سکتی تھی۔ اور نہ ہاتھ پیر ہلا سکتی تھی۔ ہا بہن! مرد کا دل بھی کیا ہوتا ہے۔ میں اُن کی شریکِ زندگی تھی۔ میں جو گھبرا رہی تھی وہ محض ناواقفیت کی وجہ سے۔ اگر وہ مجھ کو دلاسا دے کر سمجھا دیتے تو یہ کشمکش کیوں ہوتی۔ لیکن ان کو تو اپنا شوق پورا کرنے سے کام تھا۔ کسی کی جان جائے یا رہے اُن کی بلا سے، ان کو میری اس بے بسی پر ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اس لئے ہنس کر بولے "اب ٹھیک ہے!"

میں اپنی بدنصیبیوں پر سر دُھن رہی تھی اور وہ جی بھر کر اپنے ارمان نکال رہے تھے۔ میں تڑپ رہی تھی اور وہ مزے لے لے کر رقص بسمل کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بندھنے کی تکلیف سے زیادہ بے ستر ہونا میرے لئے سوہانِ روح تھا۔ مجھے اپنے جس عضوِ جسم

کی سب سے زیادہ شرم تھی اور مکشوف ہونے پر میں موت کو ترجیح دیتی تھی وہ اُن کی گرسنہ نظروں اور بیباکانہ دستبرد کا تختۂ مشق بنا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں کیا بتاؤں کیا ہوا۔ وہ اذیت اب بھی جب یاد آتی ہے تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ منہ سے چیخ بھی نہیں نکل سکتی تھی، دل ڈوبنے لگا اور میں بے ہوش ہو گئی۔ کتنی دیر بے ہوش رہی۔ مجھے نہیں معلوم۔ جب آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ساری چادر خون سے تر ہو رہی ہے، اور سارا جسم پھوڑے کی طرح ٹپک رہا ہے۔ میں ایک مرجھائی ہوئی کلی کی طرح بستر پر پڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے اب میرے ہاتھ پیر کھول دیئے تھے۔ میں مردہ سے بدتر تھی۔ اور وہ میری جانب فاتحانہ انداز سے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہے تھے!!

مجھے اتنی سدھ تو ہوئی کہ میں نے اپنے برہنہ بنڈے کو جلدی سے ڈوپٹے سے چھپا لیا اور اس کے بعد نہ اتنی قوت تھی جو اُن سے کچھ کہہ سکتی اور نہ اب اتنی ہی تاب باقی رہی تھی جو اپنی مصیبتوں پر چار آنسو بہاتی۔ میں دونوں ہاتھوں سے اپنا مُنھ چھپائے دم بخود پڑی تھی۔ انھوں نے چہرے پر سے دونوں ہاتھوں کو ہٹا کر کہا "دنیا کا لُطف دیکھا؟"

میں اس سوال کا جواب کیا دیتی۔ دل ہی دل میں تاؤ پیچ کھا رہی تھی کہ خداوند کریم نے مجھے کمزور عورت کیوں بنایا ــــ

حمیدہ:۔ اگر تم اس وقت شانِ الٰہی سے کہیں مرد بن جاتیں؟"

قمر آرا:۔ تو ان کا گلا گھونٹ دیتی۔ اس وقت جو کچھ میرے دل میں نفرت کے جذبات پیدا ہو رہے تھے ان کے اظہار سے اب کیا فائدہ۔

حمیدہ:۔ تو تمھیں اس قدر تکلیف کیوں ہوئی؟ تکلیف تو مجھے بھی ہوئی تھی لیکن ایسی نہیں کہ تمھاری طرح مہینوں کھٹیا سے لگ جاتی۔

قمر آرا: محض ناواقفیت کی بنا پر۔ میں کچھ جانتی نہیں تھی۔ میں تو اُس وقت یہی سمجھ رہی تھی کہ مجھ پر ظلم عظیم ہو رہا ہے۔ کچھ نفرت، کچھ غصّہ، کچھ صدمہ — اور پھر میرے تڑپنے اور رہائی کے لئے مایوسانہ جدوجہد میں بیجا ضرب پہنچ گئی۔ میرا داہنا کان پہلے ہی زخمی تھا۔ بایاں کان ان کی گرمجوشیوں نے زخمی کیا۔ ناک رونمائی کے وقت مجروح ہوئی تھی۔ سوئی پیوست ہونے کی وجہ سے بازو میں سخت درد تھا اُس پر یہ نئی مصیبت نازل ہوئی۔

عورت کی پوشیدہ خواہشات کا حال مجھے بعد میں معلوم ہوا۔ اگر شوہر کو اپنی بیوی سے لُطف اندوز ہونے کا اشتیاق ہوتا ہے تو عورت بھی یہ چاہتی ہے کہ اس کے باغِ حسن کی خوشہ چینی کی جائے اور جب کوئی بات طرفین کی رضامندی وشوق باہمی سے ہوتی ہے تو اگر تکلیف بھی ہو تو لُطف آتا ہے لیکن ایسی حالت میں جبکہ میں ان کی گرمجوشیوں کو ظلم سمجھ رہی تھی میرے لئے تو تکلیف ہی تکلیف تھی۔

کاش اسی پر قناعت کرتے لیکن افسوس ہے کہ اُن کی ناعاقبت اندیشیوں نے میری شبِ عروسی کی مسرّتوں کو خاک میں ملا دیا۔

ابھی میرے حواس درست بھی نہ ہونے پائے تھے کہ اُن کی گرمجوشیاں پھر شروع ہو گئیں۔

بوسہ محبّت کی نشانی تسلیم کیا جاتا ہے لیکن میں سچ کہتی ہوں، اُن کے اظہار محبّت کے تمام طریقے اس وقت میرے زخموں پر نمک پاشی کر رہے تھے۔ میں چاہتی تھی کہ اس وقت خدا یا تو مجھ کو موت دے دے یا وہ میرے پاس سے چلے جائیں۔

میرے بالائی حصّۂ جسم کو کافی ملنے دلنے کے بعد انھوں نے پھر میرے پوشیدہ اعضاءِ جسم پر اپنی نظرِ عنایت مبذول کی لیکن اس مرتبہ انھیں میرے ہاتھ پیر باندھنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ میں بالکل مردہ کی طرح بے سُدھ پڑی تھی۔ نہ اُن سے

کشمکش کی قوت باقی تھی اور نہ میں مزاحمت کرنا ہی چاہتی تھی۔ میں نے دل پر پتھر رکھ لیا تھا کہ جو کچھ ہونا ہے ہو جائے۔ کوئی تکلیف، کوئی مصیبت میرے لئے باقی نہ رہے یہ اپنے ظلم وستم کے ارمان جی بھر کر نکالیں۔

انھوں نے میرے ساتھ پھر وہی حرکت کی جو پہلے کر چکے تھے۔ اس مرتبہ نہ میں تڑپی نہ پھڑکی، میں ایسے نخچیر کی طرح پڑی ہوئی تھی جو قاتل کی چھری کے نیچے تڑپ تڑپ کر سرد ہو چکا ہو۔ میری جان پر بن گئی۔ ضبط کی کوشش کے باوجود میری زبان سے اُف اُف کی صدا نکلی اور میں پھر بے ہوش ہو گئی۔ نہ جانے وہ کب تک مجھ زندہ درگور سے اپنے دلی ارمان نکالتے رہے اور نہ جانے میں کب تک بے ہوش رہی۔ ہاں اتنا جانتی ہوں کہ جب میری آنکھ کھلی تو آثارِ سحر قریب تھے اور وہ میرے پاس سے شاداں و فرحاں رخصت ہو رہے تھے۔ میں نے ملتمس نگاہوں سے ان کی جانب دیکھ کر کہا: "خدا کے واسطے میرے کپڑے تو درست کرتے جاؤ" لیکن انھیں اپنے ولولوں کے سامنے دوسرے کی کیا پروا تھی۔ شاید وہ اپنی فتح کے ثبوت میں میری المناک حالت دوسروں کو دکھانا چاہتے تھے۔ میرے ہاتھ پاؤں تو بالکل شل ہو رہے تھے۔ ان کے جانے کے بعد جس طرح ممکن ہو سکا میں نے اپنے کپڑوں کو بدقت تمام درست کیا کیا یوں سمجھ لو کہ تن ڈھانک لیا۔ پاجامہ کے ٹکڑے اُڑے ہوئے تھے۔ کمر بند کی دھجیاں اُڑا گئی تھیں۔ اُن کے جانے بعد چند عورتیں کمرے کے اندر داخل ہوئیں اور انھوں نے میری زار و نزار حالت کو دیکھ کر قہقہہ لگایا۔

بہنو! میں سچ کہتی ہوں کہ اس وقت میری نظروں میں زمانہ سیاہ ہو رہا تھا۔ رات مجھ پر مصیبت سے گزری میرا ہی دل جانتا تھا۔ بجائے اس کے کہ کوئی میرے ساتھ اظہارِ ہمدردی کرتا مسرت و شادمانی کے قہقہہ بلند تھے۔

مجھے خوب بخار چڑھا ہوا تھا۔ ایک ایک جوڑ پھوڑے کی طرح تپک رہا تھا۔

میرے میکے کی ملازمہ بھی اندر آگئی تھی۔ چند عورتوں نے مجھے گود میں اُٹھاکر نیچے بٹھادیا
پیاس کی شدّت سے زبان پر کانٹے پڑے ہوئے تھے۔ تمام دن اور تمام رات پانی
نصیب نہ ہوا تھا۔ عورتیں مسہری کی چادر اُٹھاکر ہنستی ہوئی لے گئیں۔ جب میں اپنی
خادمہ کے ساتھ تنہا رہ گئی تو بے اختیار اس کے گلے سے لپٹ کر رونے لگی، اس
نے مجھے دلاسا بھی دیا تو یہ کہ "بیٹی رو نہیں۔ سب لڑکیوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے کوئی
نئی بات نہیں ہے"۔

تھوڑی دیر کے بعد پھر لڑکیوں کی یورش ہوئی۔ نہ کسی کو اتنا خیال تھا کہ مجھے
ایک گھونٹ پانی پلادے۔ نہ کسی کو اس کی پرواہ تھی کہ پیشاب پاخانہ کی حاجت ہے
یا نہیں۔ میں اپنے شدید بخار اور جسمانی تکالیف میں مبتلا تھی، ان لڑکیوں کو میرے
بناؤ سنگار کی فکر ہو رہی تھی۔ خدا خدا کر کے تھوڑی دیر کے بعد میرا بھائی مجھے
لینے کے لئے آپہنچا۔ میں اپنی مصیبت میں آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔ ننھے میاں کی
آمد کا حال سن کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ اتنی سکت نہ تھی کہ اُٹھ کر ننھے میاں
سے لپٹ جاتی۔ اشارہ سے اُسے اپنے قریب بُلایا اور گلے مل کر اتنا روئی کہ بیہوش
ہوگئی۔ کمسن بھائی کو اپنی مصیبتوں کی داستان کیا سُناتی، جب ہوش آیا تو اتنا
کہا۔ ننھے میاں! تم بھی ہم کو بھول گئے۔

ننھے کی آنکھوں سے بھی زار و قطار آنسو جاری تھے۔ ممکن تھا کہ ریت
رسموں یا ظاہری تکلّفات کے لئے مجھے کچھ دیر اور روکا جاتا لیکن چونکہ میری حالت
بہت خراب ہو رہی تھی۔ اور بار بار دل ڈوبنے لگتا تھا اس لئے میری ساس نے
مجھے جلد رخصت کی اجازت دے دی۔

موئے پر تنو درّے۔ ایک اور لطف کی بات سُنو۔ خادمہ میرا سامان درست
کرنے میں مصروف تھی، ننھے میاں کسی کام سے باہر گیا ہوا تھا۔ خود بدولت موقع پاکر

پھر کمرے کے اندر تشریف لے آئے۔ بخار کی شدّت سے میرا سارا بدن پھنک رہا تھا۔ اُس کی پرواتو ان کے دشمنوں کو ہو۔ مجھے اپنی آغوش میں لے کر کہنے لگے۔ "تم بہت جلدی جارہی ہو۔ سہ پہر تک جاتیں تو اچھا تھا۔ کھانا کھا کر دوپہر میں ہم تم سوتے۔"

ان کے اس جملہ کا ایک ایک حرف تیر بن کر میرے کلیجہ کے پار ہو رہا تھا۔ انھیں میں جواب کیا دیتی۔ اسی طرح دم بخود پڑی رہی۔ ممکن تھا کہ میری اس نیم مُردہ حالت میں بھی وہ اپنی تمناؤں کو قفس دل سے باہر نکلنے کے لئے آزاد کر دیتے اور اُن کے تیوروں سے ظاہر بھی یہی ہو رہا تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ ننھے میاں آگیا اور انھیں یہ کہہ کر میرے پاس سے رخصت ہونا پڑا۔

"پیاری! مجھے بھول نہ جانا۔"

میری لئے پیاری کا خطاب ——————— ! کیا دنیا میں پیاری کے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے ——— ؟

بھولنا —— ! بھولنا کیا !! ان مصیبتوں کی یاد میں تمام زندگی نہیں بُھول سکتی۔

خدا خدا کر کے اُس مکان سے میری زندہ لاش اُٹھی جہاں کی پہلی رات مجھ پر اسی طرح بھاری تھی جیسے مُردے پر قبر کی پہلی رات بھاری ہوتی ہے۔ میں فنس میں لیٹا دی گئی۔ خادمہ میرے ساتھ تھی۔ جب کہار فنس اُٹھانے کو ہوئے تو اتفاق سے ننھے میرے پاس آگیا۔ میں نے اُسے اشارے سے بُلا کر کہا:۔

"میرے بیرن! مجھے کہیں سے ایک گھونٹ پانی لا کر پلا دے۔" خُدا اس کی عمر میں برکت دے، لوٹے میں پانی بھر کر لے آیا۔ میری سسرال والوں کو تو یہ بھی خیال نہ تھا کہ اس کمبخت نے کل سے پانی بھی پیا ہے یا نہیں۔

پانی پیکر طبیعت کو کچھ سکون حاصل ہوا مگر یہ سکون کیا تھا —— غفلت سی محسوس ہونے لگی۔ معلوم ہوتا تھا کہ میں پھر بے ہوش ہو جاؤں گی۔ فنس اسٹیشن پر پہنچی۔

مجھے یہ دیکھکر سخت تکلیف ہوئی کہ خود بدولت بھی مجھے اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ میں کسی نہ کسی طرح ریل میں سوار کی گئی وہ تو خدا کا شکر ہے کہ ریل چھوٹنے کو تھی ورنہ ان کی گفتگو سے میری پریشانیوں میں اور اضافہ ہوجاتا۔ جب ٹرین چلتی ہوئی تو انھوں نے مجھ کو ایک رومال میں پچاس روپئے دیئے۔ میری لاعلمی اور ان کی ناعاقبت اندیشی نے میرے جذبات کو کس قدر مجروح کر دیا تھا اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب ٹرین چلی تو میں نے وہ روپئے باہر پھینکدیئے!!

بارہ بنکی سے لکھنؤ ہے کتنی دیر کا راستہ۔ لکھنؤ کا اسٹیشن آ گیا۔ پلیٹ فارم پر میرے اعزّا فنس لئے موجود تھے۔ مجھے سہارا دیکر فنس میں اُتار لیا۔ بہن اس وقت کا سماں نہ پوچھو۔ ایک ایک کی صورت دیکھ کر میرا دل بھر آتا تھا۔ چچّا ابّا (نجمہ کے والد) تو مجھے بچپن سے بے انتہا چاہتے تھے۔ جی چاہتا تھا کہ پلیٹ فارم ہی پر اُن سے لپٹ کر خوب روؤں۔

سواری مکان پر پہنچی، عورتوں نے مجھے گود میں فنس سے اُتارا، اماں جان بھی دیوانوں کی طرح ننگے سر ننگے پیر ڈیوڑھی تک پہنچ گئی تھیں ان کی صورت دیکھ کر پھر ضبط کا یارا کہاں۔ چیخیں مار کر ایسا روئی کہ سارا گھر تلے اوپر ہوگیا۔ ادھر روتے روتے میرا بُرا حال تھا۔ اُدھر اماں جان کھڑی پچھاڑیں کھا رہی تھیں۔ ابّا میاں کی طبیعت ان دنوں ناساز تھی۔ باہر مردان خانے میں لیٹے ہوئے تھے۔ ان کو بُلایا گیا بُخار کے عالم میں لکڑی کے سہارے اندر آئے۔ میری صورت دیکھی اور آنکھوں میں آنسو بھر کر فوراً ڈاکٹروں کو بُلانے کا حکم دیا۔ اماں جان نے کہا۔ ڈاکٹروں کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی قابل لیڈی ڈاکٹر کو بلواؤ۔

ابّا جان چپ چاپ باہر چلے گئے۔ چچّا ابّا کی ایک چھوڑ دو دو موٹریں ہمارے دروازے پر کھڑی تھیں۔ آنِ واحد میں ایک میم اور ایک ہندوستانی ڈاکٹرنی

آ گئی۔ انھوں نے میری حالت کو دیکھا اور بتایا کہ پوشیدہ عضوِ جسم میں شدید ضربات آئی ہیں، بدن کئی جگہ سے مجروح ہوگیا ہے۔ اُدھر بخار کی شدّت اِدھر یہ جسمانی تکالیف۔ روحانی مصائب کا تو ذکر ہی بیکار ہے۔ میرا علاج شروع ہوا۔

اب مجھے کچھ سکون ملا۔ اور سہ پہر کے وقت تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی۔ مغرب کے قریب جب میری آنکھ کھُلی تو معلوم ہوا کہ میری سسرال کے مہمان اُتر رہے ہیں۔

میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور عارضی سکون پھر بے تابیوں سے بدل گیا۔ ذرا دیر میں عورتیں مجھے چوتھی کی دلہن بنانے کے لئے آ پہنچیں۔ میری سُسرال کی عورتوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر بہت ناک بھوں چڑھائی، ایک بی بی تنک کر بولیں: "اے ہے لڑکی نہائی بھی نہیں"

میری ماں نے خوشامد کے لہجے میں جواب دیا "بیوی! نہلاتی کس طرح بخار میں تو مر رہی ہے"

میری ساس نے جواب دیا "بخار ہو یا کچھ ہو، رسمیں تو رُک نہیں سکتیں نہلایا ضرور جائے گا"

میری ماں:۔ ایسے شدید بخار کی حالت میں؟

خوا شدامن:۔ بہن تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ چوتھی کی دلہن اسی طرح رہے گی۔ آخر سمجھ کہاں ہے؟

تم جانتی ہو کہ میری اماں جان پُرانے ٹائپ کی بہت سیدھی سادھی خاتون ہیں۔ یہ باتیں سُن کر اُن کے تو ہاتھ پاؤں پھُول گئے اور انھوں نے اپنے خاندان کی مستورات سے کہا۔

جب ہم لڑکی دے چکے تو پھر ہمارا کیا اختیار ہے۔ چاہے سسرال والے

زندہ رکھیں چاہے مار ڈالیں۔ اگر اُن لوگوں کی خوشی یہی ہے تو بخار ہی میں نہلا دو۔"
میری ماں کو دبتے دیکھ کر سسرال کی عورتوں نے اور بھی زور باندھا اور مجھے ایسے شدید بخار میں ضرور نہلایا جاتا، لیکن وہ تو خدا بھلا کرے چچی اماں (شوکت آرا بیگم) کا اُن کی روشن خیالی میرے آڑے آ گئی۔ ورنہ میری موت کے سامان تو مہیا ہو چکے تھے۔ پہلے تو وہ کچھ دیر خاموشی کے ساتھ یہ باتیں سنتی رہیں۔ اس کے بعد بولیں: "لڑکی نہیں نہائے گی۔"
خوشدامن :- اے بہن! کیوں؟
شوکت آرا بیگم :- اس لئے کہ یہ بیمار ہے۔ بہت تیز بخار چڑھا ہوا ہے۔
خوشدامن :- پھر چوتھی کی دلہن کیسے بنائی جائے؟"
شوکت آرا بیگم :- یہ مر گئی تو کیا ہم اس کی لاش کو دلہن بنانے بیٹھیں گے۔
خوشدامن :- آج تک ہم نے یہ نہیں سُنا تھا کہ رسموں میں بھی بادھا لگایا جاتا ہے۔
شوکت آرا بیگم :- خیر اب سن لیجئے۔ ہمارے لئے رسمیں مقدم نہیں، لڑکی کی زندگی مقدم ہے۔
میری سسرال کی عورتیں لگیں چخ چخ کرنے لیکن بھلا چچی اماں کے سامنے کس کی دال گل سکتی تھی۔ جو عورتیں مجھے نہلانے کے لئے گھسیٹ رہی تھیں۔ اُن کو ڈانٹ کر چچی اماں نے علیحدہ کیا اور میری حفاظت کے لئے اپنی دس بارہ خادمائیں اور مہریاں مقرر کر دیں۔ اب میری جان میں جان آئی۔ میری خوشدامن چیخ کر بولیں "تو تم نے لڑکی کی شادی کیوں کی تھی زندگی بھر بٹھا کر کھلاتیں۔"
اب چچی اماں سے ضبط نہ ہو سکا۔ ان کا غصّہ تو تم جانتی ہی ہو! بگڑ کر بولیں۔ "ہم تم کو شریف اور انسان سمجھ کر، تمھاری خوشامدوں پر، تمھارے ناک گھسنے پر ہم نے

لڑکی دی تھی۔ اس لئے نہیں کہ لڑکی ہم کو دوبھر تھی۔ خدا اُس کے باپ کے دم کو رکھے اُس کے عیش و آرام کے لئے بہت کچھ ہے اور پھر اُس کے چچا ہمارے نواب اس کو اپنی اولاد ہی کیطرح سمجھتے ہیں۔ نجمہ تواب ہوئی ہے اسی کو ہم نے اپنی اولاد سمجھا تھا۔ خود لڑکی کے نام بھی اُس کے چچا کی دی ہوئی جائداد اتنی ہے کہ وہ چار کو دیکر کھا سکتی ہے تم بٹھا کر کھلانے کا طعنہ کیا دیتی ہو؟"

خوشدامن :۔ ہاں ہاں معلوم ہے کہ خدا کا دیا آپ کے یہاں بہت کچھ ہے۔

چچی اماں :۔ ہاں ہے کفرانِ نعمت کیوں کریں"

خوشدامن :۔ تو ہمارے بھی ایسے ناخن نہیں گھسے ہوئے ہیں۔ تم سے بڑے بڑے تعلقہ داروں کی لڑکی بیاہ کر لا سکتے تھے۔

چچی اماں :۔ ان دلخراش طعنوں پر زیادہ برہم ہوتی جاتی تھیں۔ جھلا کر بولیں "اب تک کسی کی لڑکی مل نہ گئی۔ کاہے کو ہمارے دروازے پر ناک گھسنے آئی تھیں۔ ہم نے اپنی لڑکی کا ڈولا تو نہیں دیا ہے۔ مجھ کو تو اپنی دولت کا زعم نہیں، لیکن گھمنڈ تم کو بہت ہے جبھی تو بار بار طعنے دے رہی ہو۔

میری ماں رو رو کر چچی اماں کے ہاتھ جوڑ رہی تھیں، اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اگر چچی اماں اس وقت عقلمندی سے کام نہ کرتیں تو میرے سولہ کرم ہو جاتے میری ماں کی خواہش تھی کہ لڑکی چاہے مرے چاہے زندہ رہے لیکن سسرال والوں کی خوشی پوری کر دی جائے۔ میری چچی اماں نے میری ماں کو بھی للکارا اور کہا "تم اس معاملہ میں دخل مت دو، قمر آرا کو میں نے تم سے دامن پھیلا کر مانگا تھا۔ اب اگر نجمہ ہوئی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ قمر آرا سے مجھے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ تمھاری سمدھن بار بار مجھے طعنے دے رہی ہیں۔ میں ان کی دولت کا زعم دیکھوں گی جب نہیں کہا تھا تو اب کہتی ہوں کہ جس قدر ان بی بی کے پاس کل جائداد ہے اس سے

سے زیادہ میں قمر آرا پر صدقے کر کے فقیروں کو دے سکتی ہوں۔ بلاؤ نواب کو میں بٹھا کر کھلانے کے طعنہ کا جواب دوں گی۔"

مردان خانہ میں خبر ہوئی، بھلا چچی اماں کا حکم پہنچے اور چچا ابا بیٹھے رہیں فوراً ہی اندر آئے۔ پوچھا "معاملہ کیا ہے؟" چچی اماں نے آنکھوں میں آنسو بھر کر جواب دیا "معاملہ کیا ہے۔ قمرن کی جان لی جا رہی ہے اور میری تمھاری زندگی میں!"

نواب سکندر جاہ:۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

شوکت آرا بیگم:۔ اس کی جان بچانا چاہو تو طعنے ملتے ہیں کہ بڑی مالدار ہو تو بٹھا کر کھلاؤ۔ نواب! خدا کی قسم آج میری بڑی ذلت ہوئی۔ خدا میرے وارث کے دم کو رکھے ہمیشہ میری عزّت بڑھائی۔ لیکن آج ــــــ؟

یہ کہہ کر چچی اماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ یہ تم کو معلوم ہے کہ چچا ابا چچی اماں کے رونے سے بہت ڈرتے ہیں۔

نجمہ یہ سن کر ہنسی اور کہا "اماں جان بھی تو اُن کے اشاروں پر چلتی ہیں۔"

حمیدہ:۔ ہاں بہن ایمان کی بات تو یہ ہے کہ پھوپا جان نے پھوپی جان کی ہمیشہ عزّت کی اور پھوپی جان نے بھی ہر معاملہ میں رفاقت کی انتہا کر دی۔ جس زمانے میں تعلقہ کورٹ کر لیا گیا تھا پھوپی اماں نے کس شرافت و محبّت کے ساتھ زندگی بسر کی ہے۔

اختر جہاں:۔ اچھا پوری داستان تو سناؤ شام ہونے والی ہے۔ ذرا دیر میں بی نجمہ کے سسرال والے آ دھمکیں گے۔

قمر آرا:۔ تو ہاں چچی اماں کو روتے دیکھ کر چچا ابا گھبرا گئے اور بگڑ کر بولے۔ "میری زندگی میں تمھیں کون ذلیل کر سکتا ہے۔ روپیہ پیسہ تو درکنار تم سولہ آنے میری جان کی بھی مالک و مختار ہو۔"

شوکت آرا بیگم:۔ لڑکی بخار میں مر رہی ہے تم خود دیکھ لو ــــ!

چچا ابّا نے میری پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا: "اُفوہ! بہت تیز بخار ہے۔"

شوکت آرا بیگم :- تمہی دیکھو! اس پر کوڑا ہے کہ لڑکی کو رات کے وقت نہلاؤ ـــــ کیا اندھیر ہے، اور پھر صرف بخار ہی نہیں اُس کے کان زخمی ہیں۔ ناک چِر گئی، بازوؤں میں سوئیاں بھونکی گئیں ـــــ اور تمھیں کیا کیا بتاؤں ـــــ ہائے میری زندگی میں قمرن کی یہ خواری ـــــ!!"

یہ کہہ کر چچی اماں نے پھر رونا شروع کیا۔ چچا ابّا اور گھبرائے، کہنے لگے "صاف کہہ دو کہ ہم لڑکی کو نہیں نہلائیں گے۔"

شوکت آرا بیگم :- یہی تو میں نے کہا۔ اس پر طعنہ ملا کہ "بڑی مالدار ہو تو لڑکی کو بٹھا کر کھلاؤ، کاہے کو شادی کی تھی ـــــ! لو اور سنو! گویا ہمارے گھر میں اڑا پڑا ہوا تھا۔ خدا میرے نواب کو سلامت رکھے، گویا میں کسی کے ہاں بھیک مانگنے جاتی ہوں۔ تمہی بتاؤ یہ طعنے میرے کلیجے کے پار نہ ہوں۔ اپنی دولت کا زعم دکھایا جاتا ہے اور مجھ کو غریبی کے طعنہ ملتے ہیں۔"

نواب سکندر جاہ :- خدا کا دیا اب بھی بہت کچھ ہے تم کیوں کسی کے طعنے سنو! اُن سے تم بھی کہہ دو کہ غریب ہیں مگر خداوندِ کریم کے فضل سے دس بیس سے زیادہ حیثیت رکھتے ہیں۔

شوکت آرا بیگم :- اس طعنہ کا کیا جواب ہے کہ اگر تمھارے پلّے کچھ ہوتا تو شادی کیوں کرتیں؟ زندگی بھر بٹھا کر کھلاتیں اور اب اگر تمھارے پاس کچھ ہو تو بٹھا کر کھلاؤ۔

نواب سکندر جاہ :- کہہ دو کہ ہم نے لڑکی کی شادی کسی مجبوری کی بنا پر نہیں بلکہ خدا اور رسول کا حکم سمجھ کر کی تھی۔ پہلے بھی اسے کھلا پہنا سکتے تھے اور اب بھی اسے کھلا پہنا سکتے ہیں۔ تم بیکار روتی ہو، اپنی خوشی سے کام کرو۔ کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا۔

تم اپنی بات بالا رکھنے کے لئے جناب امیر علیہ السّلام کی قسم سارا تعلقہ قمرن پر قربان کر سکتی ہو۔ مجھ سے پوچھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

یہ سُن کر چچی اماں کا دل بڑھ گیا، یا تو رو رہی تھیں یا ہنس دیں اور کہا: "اچھا نواب اب تم باہر جاؤ میں نپٹ لوں گی۔"

میری ماں ایک کونے میں کھڑی ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ چچا ابا کے پاس آکر کہنے لگیں "بھائی صاحب کوئی بات نہ بڑھے۔"

نواب سکندر جاہ :۔ بات بڑھے گی تو کیا ہے۔ تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ بیگم آپ سمجھ لیں گی۔ قمرن اُن کے نام کی ہے۔ انھیں ہر بات کا اختیار ہے۔

چچا ابّا تو باہر تشریف لے گئے۔ اِدھر میری سسرال کی عورتوں نے اپنے مردوں کو بُلا کر سرگوشیاں کیں اور خوب نمک مرچ لگایا۔ میرے خسر خدا بخشے آدمی سمجھدار تھے۔ بیوی نے تو بہت بھڑکایا لیکن وہ جانتے تھے کہ نواب سکندر جاہ بہادر لیسے بات کے دھنی کے سامنے کسی کی دال گلنا مشکل ہے۔ معاملہ بہت بڑھ جائیگا۔ اور اگر کہیں عدالت کی نوبت پہنچی تو نواب سکندر جاہ ولایت تک پیچھا نہیں چھوڑیں گے انھوں نے اپنی بیوی کو سمجھایا کہ بات بڑھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ لڑکی اگر بیمار ہے تو ریت رسموں کو گولی مارو۔

خوشدامن :۔ کون ایسی بیماری ہے؟ ننھے بچے ہو، دنیا کی لڑکیاں پہلی رات میں بیمار ہو جاتی ہیں۔ ہماری بھی شادی ہوئی تھی۔"

خسر :۔ آخر جھگڑا بڑھانے سے کیا فائدہ۔ مفت کی رسوائی ہے۔ اُن ہی لوگوں کی خوشی پوری کر دو۔ اگر کہیں عدالت تک نوبت پہنچی اور لڑکی والوں نے مہر کا دعویٰ ٹھونک دیا! تمھیں معلوم ہے نواب سکندر جاہ نے ایک لاکھ روپیہ کا مہر بندھوایا ہے۔

خوشدامن :۔ تو کیا میں نے ذلیل ہونے کے واسطے بٹیا بیاہا ہے؟
خسر :۔ تم کو تو غصہ بہت جلدی آجاتا ہے۔ تمھارے غصہ اور حماقت نے مجھ کو سخت پریشان کر رکھا ہے۔ تمھیں کیا معلوم مردانہ خانے میں کیا کیا باتیں سُن رہا ہوں۔ لڑکی کے سوئیاں بھونکی گئیں۔ ناک کان زخمی کئے گئے۔ تم نواب سکندر جاہ کے مزاج سے واقف نہیں ہو اُنھیں غصہ بہت کم آتا ہے اور جب غصہ آتا ہے تو پھر وہ نتائج کی کبھی پروا نہیں کرتے اپنے کنبہ پر جان دیتے ہیں، اُن کی بھانجی کے شوہر نے گھر میں طوائف ڈال لی تھی۔ بہن غریب تھیں اُن کی لڑکی کے واسطے ہزاروں روپیہ میٹ کر عدالت لڑے اور اگر اُن کی بھانجی کا شوہر طوائف کو علیحدہ کر دینے کا وعدہ نہ کرتا، اور بڑے بڑے لوگوں کی سفارش نہ ہوتی تو اس کو برباد کر دیتے۔ اودھ کے ایک تعلقدار ہونے کے باوجود وہ حقوقِ نسواں کے بہت زبردست حامی ہیں اور خود بھی عمل کر کے دکھاتے ہیں۔ آج تک انھوں نے کسی غیر عورت کی جانب نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ اُن کی بیگم گھر کی مالک بنی ہوئی ہیں۔
خوشدامن :۔ ہاں جبھی تو خوب چہک رہی تھیں، ایک تم ہو کہ میری کوڑی کی بھی عزت نہیں!
خسر :۔ عزت بنانے سے بنتی ہے۔
خوشدامن کو سمجھا بجھا کر میرے خسر تو رخصت ہوئے۔ ساس میری منہ پھلا کر ایک کونے میں بیٹھ رہیں۔ کوئی بھی ریت رسم نہ ہوئی۔ صبح ہوتے رخصت کا خیال تھا۔ رات رہے میری خوشدامن نے پوچھا "بیوی بتاؤ لڑکی کو رخصت بھی کرو گی؟"
رخصت کا نام سُن کر میری جان نکل گئی کہ اب پھر اُن ہی مصیبتوں کا سامنا ہوگا۔ دل کی حرکت تیز ہوگئی نبضیں ڈوبنے لگیں اور میں چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی۔ سارا گھر تلے اوپر ہوگیا۔ چچی اماں نے قرآن شریف کی ہوا دی۔ اماں جان نے تلوے

سہلائے۔ بڑی مشکل سے ہوش آیا۔ میں نے چچی اماں کی طرف دیکھا۔ زبان سے کچھ کہہ نہ سکی۔ ہاتھ جوڑ کر زار و قطار رونے لگی۔ چچی اماں سب کچھ سمجھ گئیں۔ انھوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "بیٹی! تم ڈرو نہیں۔ جب تک تم اچھی نہ ہو جاؤ میں تم کو نہیں جانے دوں گی۔ اگر تمھاری ماں بھی کچھ بولیں گی تو تم کو اپنے ساتھ محلسرا لے چلوں گی۔"

اب میری جان میں جان آئی۔ چچی اماں نے میری خوشدامن سے کہہ دیا کہ ہماری لڑکی بہت بیمار ہے ابھی ہم اسے رخصت نہیں کر سکتے۔" یہ سن کر میری ساس بہت چیخی چلّائیں لیکن چچی اماں کے سامنے کس کی دال گل سکتی تھی۔ خدا بخشے میرے خسر نے بھی عقلمندی سے کام لیا اور اپنی بیوی کو سمجھایا کہ اگر لڑکی بیمار ہے تو اسے ساتھ لے چلنے کی ضرورت نہیں جب اچھّی ہو جائے گی اُسے بلوا لیں گے۔ میری ساس چیخ کر بولیں "بُلوا لیں گے؟ وہ لوگ خود پہنچا دیں گے۔"

خُسر:۔ دیکھا جائے گا۔

جب یہ بات چچی اماں کو معلوم ہوئی تو اُنھوں نے کہا کہ "جس کو لاکھ مرتبہ غرض ہو گی صحت یابی کے بعد لڑکی کو لینے کے لئے آپ آئے گا۔ ورنہ ہم تو اب اسے بٹھا کر کھلائیں گے۔"

سب کے وضو ٹھنڈے ہو گئے۔ جاہلوں سے جب تک اِسی طرح گفتگو نہ کی جائے راہ راست پر نہیں آتے۔ صبح ہوتے میری سسرال والے رُخصت ہوئے۔ خود بدولت نے کئی مرتبہ اندر آنے کی کوشش کی لیکن میں سچ کہتی ہوں کہ میں اُن کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی تھی اگر وہ کہیں میرے سامنے آجاتے تو شاید میں پھر چیخ مار کر بے ہوش ہو جاتی۔

جب یہ لوگ چلے گئے تو میری جان میں جان آئی۔ میری اماں جان اِن

واقعات سے بہت پریشان تھیں۔ لیکن چچی اماں اپنی ضد پر بدستور قائم رہیں کہ جب تک قمرن کو صحت نہ ہو جائے گی میں اس کو سسرال نہیں بھیجوں گی۔

ایک تو واقعی میں بیمار زیادہ تھی اور دوسرے جب کبھی میری حالت سنبھلتی اور یہ خیال آتا کہ میں اب سسرال بھیجدی جاؤں گی تو میں خوف سے پھر بیمار ہو جاتی۔ اسی طرح میرے تین مہینے گزر گئے۔

سسرال والے چند روز تو اکڑے رہے لیکن چچی اماں کی مستقل مزاجی سے سب کے حواس درست ہو گئے اور مجھے دیکھنے کے لئے خوشدامن بھی کئی مرتبہ آئیں اور خسر بھی برابر آتے رہتے تھے، خود بدولت سے شروع شروع میں تو مجھے سخت نفرت رہی لیکن دو مہینے کے بعد میری جھجک جاتی رہی تھی اور پھر جب کبھی وہ مجھے دیکھنے کے لئے آتے تھے تو میں بھی اُن سے بات چیت کر لیتی تھی ——!

اختر جہاں:۔ کوئی بات تو نہیں ہوتی تھی؟

قمر آرا نے ہنس کر جواب دیا۔ "نہیں صرف بوس وکنار اور میں تو بیمار ہی تھی۔"

حمیدہ:۔ دو مہینے کے بعد جب تمہارے دل سے اُن کی نفرت زائل ہوگئی تو کیا اس وقت بھی تم ان کے پیار اخلاص سے گھبراتی تھیں؟

قمر آرا:۔ نہیں بھائی۔ جھوٹ نہیں بولتے پھر تو کچھ کچھ لطف آنے لگا تھا، اور سچ پوچھو تو ایک آدھ مرتبہ میں نے بھی اُن کو پیار کر لیا تھا۔ میں تین مہینے کے بعد اسی لئے صحت یاب ہوگئی کہ میرے دل سے اُن کا خوف زائل ہو گیا تھا۔ ورنہ شاید میں تمام عمر پلنگ ہی سے لگی رہتی اور کبھی اپنی سسرال نہ جاتی۔ بعد میں مجھ کو محسوس ہوا کہ انھیں بھی اپنی گزشتہ غلط کاریوں پر سخت افسوس ہے اور میرے سامنے انھوں نے کئی مرتبہ اظہار ندامت کیا۔ اس وقت جوش میں کچھ نہیں

سوچا۔ لیکن بعد میں اُن کو معلوم ہوا کہ ان کی ناعاقبت اندیشی نے ازدواجی مسرتوں کو کس طرح خاک میں ملا دیا۔ اگر وہ شب عروسی میرے جذبات کا کچھ بھی احترام کرتے تو طرفین کو اس قدر پریشانیاں کیوں ہوتیں۔ پرسچ ہے انسان کچھ کھو کر ہی سیکھتا ہے۔

چوتھے مہینے میرا غسل صحت ہوا۔ خوشدامن نے بھی بہت خوشیاں منائیں۔ غالباً اپنے بیٹے کے دباؤ کی وجہ سے اب اُن کا رویہ بالکل بدل گیا تھا۔ نہ وہ غصہ تھا۔ نہ وہ تیزی۔ چچی اماں سے ہنس ہنس کر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت حاصل کی۔ چونکہ میری جھجک اب مٹ چکی تھی۔ اور میرے دل میں اب نفرت کے بجائے زبیدہ کے باپ کی محبت آہستہ آہستہ گھر کر رہی تھی۔ اس لئے میں بھی جانے پر رضامند تھی۔ چچی اماں نے مجھے رخصت کر دیا اور تین ماہ کے بعد میں اپنی سسرال پہنچی۔ تمھارے دولھا بھائی کا طریقۂ کار بھی اب بالکل بدل گیا تھا۔ اب وہ اپنی دلی تمناؤں کے ساتھ ہی میرے جذبات کا بھی احترام کرتے تھے۔"

حمیدہ:۔ یہ بتاؤ کہ "وہ بات" بھی ہوئی؟

قمر آرا نے ہنسکر کہا: "کیوں نہیں ایک مرتبہ چھوڑ ہزاروں مرتبہ"

اختر جہاں:۔ پھر تو تمھاری جان پر نہیں بنی؟

قمر آرا:۔ جان پر بننا کیسا؟ پھر تو لطف آتا تھا اور اب بھی لطف آتا ہے۔ تکلیف صرف اس لئے تھی کہ میں ان پوشیدہ باتوں سے ناواقف تھی اور بالکل ناعاقبت اندیش۔ سمجھدار دولھا کا فرض ہے کہ تخت کی رات اپنی دلہن کے دل سے خوف و ہراس کو دور کرے، اور اسے پوشیدہ باتوں سے آگاہ کر دے۔"

نجمہ نے شرما کر کہا: "انھوں نے یہی کیا۔"

قمر آرا:۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت سمجھدار ہیں۔ میری شب عروسی ایک درد انگیز اور تلخ داستان محض اس لئے بنی کہ ان کو صرف اپنے ارمان نکالنے کا خیال تھا۔

مردہ چاہے دوزخ میں جائے چاہے بہشت میں۔ اگر وہ میرا کچھ بھی خیال کرتے تو اسقدر تکلیفیں نہ ہوتیں۔ نجمہ کی شبِ عروسی کی سحر ہمیں مسرتوں کا پیام اسی لئے سُناتی ہے کہ ان کے شوہر سمجھدار اور عقلمند ہیں، وہ صرف نفس کے بندے نہیں بلکہ اپنی شریکِ زندگی کی آسائش و راحت کا بھی لحاظ رکھنے والے ہیں۔

اختر جہاں:۔ دیکھو اب کیا ہوتا ہے؟

قمر آرا:۔ انسان کا مزاج ایک ہی دن میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ پہلی رات میں دل پر قابو حاصل کرنا بہت دشوار ہے۔ میں نے ہر جگہ اسی طرح کے قصے سُنے لیکن نجمہ کے دولھا نے اپنی بیوی کی راحت کا لحاظ کر کے اس امر کا ناقابلِ تردید ثبوت دیا ہے کہ وہ بہت عقل مند ہیں۔

حمیدہ:۔ میاں کی تعریف سے کیسی خوش ہو رہی ہیں!

اختر جہاں:۔ پہلی رات میں بچے تو ہم بھی نہیں تھے۔ لیکن قمر آرا آپا کی طرح تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

حمیدہ:۔ اب دیکھیں نجمہ بہن کی رنگین داستان کب سُننے میں آتی ہے؟

نجمہ:۔ میں تو کبھی نہ سُناؤں گی۔

قمر آرا:۔ اچھا، لکھ کر شائع کر دینا۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مہمانوں کی آمد کا شور بلند ہوا۔ شوکت آرا بیگم نے قمر آرا کو آواز دی "بیٹی! باہر نکلو مہمان آرہے ہیں"۔

قمر آرا نے کہا "اوہ! ہم لوگوں کو باتوں میں کسقدر دیر ہو گئی۔ کچھ معلوم نہ ہوا شام ہو گئی ہے۔"

قمر آرا، اختر جہاں اور حمیدہ بی رحمین کو نجمہ کے پاس بٹھا کر نکلیں۔ باہر قناتیں گھر چکی تھیں اور سواریاں اُتر رہی تھیں۔ شوکت آرا بیگم اپنی سمدھن کی پیشوائی کے لئے پھولوں کی چھڑیاں لئے ہوئے ڈیوڑھی پر موجود تھیں۔

چوتھی کی دلہن

سمدھنیں شاداں و فرحاں سواریوں پر سے اُتریں۔ ساز مترنم ہوئے، ڈومنیوں کی سُریلی آوازیں بلند ہوئیں۔ قہقہے فضا میں گونجے۔ پھولوں کی چھڑیاں ایک دوسرے پر برسنے لگیں۔ نجمہ کی شب عروسی مسرتوں کا پیام لے کر آئی تھی، مردان خانے میں بھی محفل طرب آراستہ تھی۔ سمدھیوں کی پُر لطف نوک جھونک ہو رہی تھی۔ سعید ایک گوشہ میں سر جھکائے۔ خاموش بیٹھا تھا۔ لکھنو کے زندہ دل رئیس نواب حشمت یار جنگ پر بے طرح پھبتیاں کس رہے تھے۔ نواب حشمت یار جنگ نے ہنس کر کہا۔ "آخر میری کیا خطا ہے۔"

ایک رئیس نے فوراً جواب دیا۔ "حضرت آپ تو سراپا "تقصیر" ہیں۔" (حیدرآباد میں تعظیمی کلمہ ہے) اس پر خوب قہقہہ پڑا۔

نجمہ کے لئے سسرال سے بیش قیمت چوتھی کا جوڑا آیا۔ آنِ واحد میں وہ سنوار کر دلہن بنا دی گئی۔ اس وقت اس کے حسن کی عجیب بہار تھی۔ ذرا دیر کے بعد چوتھی کھیلنے کا سامان ہوا۔ سعید اندر بلایا گیا۔ سالیوں نے جوتا چرایا۔ ڈومنیوں نے گانا شروع کیا۔ دولھا دلہن چوتھی کھیل رہے تھے، دلہن کو بی حمیدہ بیگم لے کر بیٹھی تھیں۔ ایک ہی شوخ و طرار۔ تاک تاک کر دولھا کے منہ پر نشانہ مارتی تھیں۔ جب دولھا دولہن چوتھی کھیل چکے تو پھر سمدھنوں نے چوتھی کھیلی۔ شوکت آرا بیگم اور سروری بیگم دونوں عقلمند اور سمجھدار تھیں۔ ایسی چوتھی نہیں کھیلی گئی جو کسی کا ہاتھ ٹوٹتا اور کسی کی آنکھ پھوٹتی۔ پھولوں کے گجرے بہت سے بنوا لئے گئے تھے۔ سروری بیگم نے یہ گجرے اپنی سمدھن پر پھینکے

اور شوکت آرا بیگم نے اپنی سمدھن پر۔ لونڈیوں، باندیوں کی بن آئی، خوب دل کھولکر جوتھی کھیلیں اور ذرا دیر کے بعد لڑائی شروع ہوگئی۔ روح افزا کی بالی کان سے گر گئی۔ جمیلن کی کیل ناک سے اُچٹ کر گر رہی۔ حیاتو نے جو گیتھا کھینچکر مارا تو مہتاب سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ بختاور نے گوبھی کے پھولوں سے حیاتو کی خوب خبر لی۔ حرفوں کی بنی ہوئی ننجو سارے گھر میں اُچکتی پھرتی تھی۔ کسی نے تاک کر جو نشانہ مارا تو پیٹ پر پڑا۔ تیورا کر بیٹھ گئی لگی ہائے توبہ مچانے۔ بتولن نے فیضو کی چوٹی پکڑ کر خوب ہلائی۔ رسولن نے امامن کو اُٹھا کر دے مارا۔ غرضکہ خوب دھما چوکڑی مچی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک تو یہ جنگ زرگری جاری رہی۔ اس کے بعد نواب شوکت آرا بیگم نے سب کو ڈانٹ کر خاموش کیا۔ بی مغلانی کے ساتھ بھی جوتھی کھیلنا ضرور تھا اس لئے چند شریر بچوں نے اُن کی آنکھوں میں سنگترے کے چھلکوں کا عرق ڈالدیا۔ مگر بڑی بی بگڑی نہیں۔ آج تو نہالوں نہال تھیں۔

جوتھی کھیلنے کے بعد مہمانوں کے سامنے دسترخوان بچھا۔ ایک سے ایک پُر تکلف کھانے چنے گئے۔ دولھا جوتھی روٹھا۔ شوکت آرا بیگم نے بہت کچھ منایا لیکن بھلا وہ کس طرح من سکتا تھا۔ پانچ سو روپئے دولھا کے سامنے رکھے کہ "لو بیٹیا! اب کھانا کھالو!!"

لیکن دولھا میاں نہ منھ سے بولتے ہیں نہ سر سے کھیلتے ہیں۔

"اچھا گھوڑا لوگے؟ فٹن لوگے؟"

"موٹر لوگے؟"

نوشہ منتا ہی نہیں۔

"کوٹھی دوں؟"

"آخر کچھ تو بولو، تمھیں کس طرح رضامند کیا جائے؟"

قمر آرا نے کہا۔ "چچی جان انھیں اور کچھ نہیں چاہیئے۔ وہ تو بس اپنی دلہن کو آج ہی اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔"

"خیر بھئی یوں بھی سہی، ہمیں تو ہر طرح ان کی خاطر داری منظور ہے۔"

یہ فقرے سن کر سعید کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی اور شوکت آرا بیگم نے ہنس کر کہا۔

"لو بہن سعید میاں راضی ہو گئے۔"

حمیدہ بیگم اور اختر جہاں نے دولھا، دلہن پر دو چار پھبتیاں اور اُڑائیں جن کو سن کر دوسری سہاگنوں کو بھی اپنی شب عروسی اور "چوتھی" کی پُر کیف چھیڑ چھاڑ یاد آ گئی۔ دل ہی دل میں ارمان چٹکیاں لینے لگے۔

نجمہ کی والدہ اپنی سمدھن سے یہ بات پہلے ہی طے کر چکی تھیں کہ وہ آج کی رات دولھا دلہن اور مہمانوں کو کاکوری نہ جانے دیں گی۔ اس لئے سارا انتظام مکمل تھا۔ دولہا دلہن کے لئے علیحدہ کمرہ بھی سجا ہوا تھا اور ضروریات کی تمام چیزیں مہیا تھیں۔ سارے مہمان نواب سکندر جاہ اور شوکت آرا بیگم کی دریا دلی۔ مہماں نوازی اور سلیقہ شعاری پر عش عش کر رہے تھے۔ رات زیادہ گزر چکی تھی۔ دلہن کو علیحدہ کمرہ میں پہنچا دیا گیا اور تھکے ہوئے مہمان دوسرے کمروں میں پاؤں پھیلا کر سو رہے۔

نجمہ شرمائی ہوئی مسہری کے ایک گوشہ پر لیٹی ہوئی تھی کہ کمرہ کا دروازہ کھُلا اور سعید اندر داخل ہوا۔

آج نجمہ کو شرم تو ضرور تھی لیکن خوف و ہراس نہ تھا۔ قمر آرا کی داستانِ غم سُننے کے بعد اس کے دل میں سعید کی محبت اور بھی جاگزیں ہو گئی تھی۔ سعید اندر قدم رکھتے ہی بے تکلفی کے ساتھ مسہری پر بیٹھ گئے اور ہنس کر کہا: "السلام علیکم"

نجمہ اپنی ہنسی کو روک کر خاموش ہو رہی۔
سعید:۔ واہ، یہ کون طریقہ ہے؟ آپ نے تعلیم یافتہ ہو کر سلام مسنون کا جواب نہیں دیا۔
نجمہ:۔ (شرما کر) وعلیکم السلام۔
سعید:۔ کہیئے! مزاج شریف؟
نجمہ:۔ الحمدللہ۔
جھجک مٹنے کے لئے اتنی ہی گفتگو کافی تھی۔ سعید نے نجمہ کے پہلو میں لیٹ کر کہا: "آج تمام دن آپ مجھے بہت یاد آئیں۔
نجمہ خاموش ہو رہی۔ سعید نے کہا: "تمھیں میری جان کی قسم سچ بتانا دن بھر میں تمھیں ایک مرتبہ بھی میرا خیال آیا؟"
نجمہ نے شرمائی ہوئی آواز سے جواب دیا: "ہاں"
سعید نے نجمہ کے لب لعلیں کا بوسہ لے کر کہا: "پھر تو میں بہت خوش نصیب ہوں کہ آپ نے مجھے یاد کیا"
شرم وحیا نے لاکھ روکا۔ لیکن وفورِ محبت سے بیتاب ہو کر نجمہ مسکرائی اور اُس نے اپنی باہیں سعید کے گلے میں ڈال دیں۔ طالبِ شوق کو اور کیا چاہیئے۔ سعید کے سحابِ لب نے نجمہ کے کشتِ عارض پر بوسوں کی بارش کر دی۔ کبھی زلفِ پریشاں کو سنوارا۔ کبھی انگلیاں نخلِ شباب کے رنگین پھلوں سے لذت اندوز ہوئیں۔ نجمہ کو بھی سعید کی گرم جوشیوں سے آج ایک نئی لذّت محسوس ہو رہی تھی۔ سعید نے پوچھا:۔
"میری جان! سچ بتانا کہ تم کو بھی مجھ سے محبت ہے یا نہیں؟"
نجمہ:۔ بے شک ہے!

سعید :۔ انسان کو جس سے محبت ہوا سے وہ پیار کرتا ہے۔ میں تمھارے لبِ دہن کے بوسے لے رہا ہوں، لیکن تم نے مجھے ایک مرتبہ بھی پیار نہیں کیا۔

سعید کے اس کہنے پر نجمہ نے بے ساختہ اس کا منہ چوم لیا۔ عشق نیاز مند پر حسن خود آرا کی یہ شانِ کرم! سعید اپنی رسائی قسمت پہ نازاں تھا، ارمانِ شباب کی دبی ہوئی چنگاریاں سینہ میں بھڑک اٹھیں، جذبات میں ارتعاش پیدا ہو گیا۔ آرزوئیں باہر نکلنے کے لئے بیتاب ہو گئیں، بادۂ تمنّا کے سرور نے آنکھوں میں گلابی ڈورے ڈال دیئے۔ دستِ پُر شوق نخل شباب کے پھلوں کو چھوڑ کر حریم حسن کی جانب لپکا۔ شمع عصمت کے فانوس کو جنبش ہوئی۔ ہوائے کیف کے جھونکے تیز تھے، سنبھل نہ سکا، علیحدہ گرا اور شمع عصمت فانوس سے باہر آ گئی۔

نجمہ ـــــ نادان نجمہ نے شمع کو ہوائے کیف کے تیز جھونکوں سے بچانے کے لئے دونوں ہاتھ لگا لئے۔ سعید نے کہا "میں کل آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ شرم غیروں سے کی جاتی ہے، میرے اور تمھارے درمیان سے دوئی کا پردہ اُٹھ چکا۔ اب تم سعید بن گئیں اور سعید نجمہ۔ دونوں کی ہستیاں ایک ہو چکی ہیں پھر یہ غیریت اور شرم کیسی؟

میں یہ بات مانتا ہوں کہ شرم وحیا انسان کی فطرت کا ایک اہم تقاضا اور خاصکر عورت کے حسن وجمال کے لئے گراں قدر زیور ہے۔ لیکن پیاری نجمہ! اس کی کچھ حدیں ہیں اور میاں بیوی کے تعلقات میں ان حدوں کی وسعت وہ نہیں رہتی جو عام حالات میں ہوا کرتی ہے"۔

سعید کی یہ محبت آمیز اور جذبات پرور گفتگو سن کر نجمہ کے دل ودماغ پر کیف وسرور کی رنگینیاں چھا گئیں۔ دل کی دھڑکنیں بڑھ گئیں اور جسم کے ایک ایک رونگٹے پر بیخودی طاری ہو گئی۔ اب اس کے نرم ونازک ہاتھ خود بخود سعید کی

گردن کی طرف بڑھ رہے تھے اور چند ہی لمحوں میں اس کے گلابی ہونٹ سعید کے لبوں پر مہر محبت ثبت کر رہے تھے۔ وہ نیم مدہوشی کے عالم میں اپنے جسم کو اس طرح حرکت دے رہی تھی کہ جیسے کیف و سرور کے بے پایاں سمندر میں فرحت بخش اور روح پرور موجوں سے کھیل رہی ہو۔

اس وقت سعید نے صرف نجمہ کے حریم عصمت ہی پر قابو نہیں پا لیا تھا بلکہ وہ اس کے دل پر بھی فتح پا چکا تھا۔ اُس کی مد بھری آنکھوں کے سُرخ ڈورے شباب کی بھرپور رنگینیوں کا پتہ دے رہے تھے اور ہلکی ہلکی سسکیاں ناقابلِ بیان لذت اندوزی کی غمازی کر رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھی کہ باغِ محبت کے تمام پھول سعید پر قربان کر دے۔ لیکن حیا کا اصرار تھا کہ ابھی سعید سے آنکھ نہ ملائے اور کچھ دیر تک اسی سرشاری کی حالت میں پڑی رہے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

تھوڑی دیر کے بعد سعید نے نجمہ کا شانہ ہلا کر کہا: "پیاری کیسا جی ہے؟ اُٹھو!"

نجمہ صرف معنی خیز "اوں ہوں" کہہ کے خاموش ہو گئی۔

سعید :- "میری جان! سچ بتانا تمھیں زیادہ تکلیف تو نہیں ہوئی مجھے تشویش ہو رہی ہے۔ میں تمھیں اپنی محبت کی قسم دیتا ہوں مُنہ سے بولو، کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟"

نجمہ نے اپنا ہاتھ سعید کے شانے پر رکھ کر شرمائی ہوئی آواز سے جواب دیا :- "نہیں"۔

سعید :- درد زیادہ تو نہیں ہے؟

نجمہ :- درد ہے، مگر کم۔

سعید :- پھر تم اس قدر خاموش کیوں ہو؟

نجمہ:۔ اب ہم سے نہ بولو۔

سعید نے نجمہ کے لب لعلیں کو چوم کر کہا: "واہ! اب کیوں نہ بولیں؟"

نجمہ نے ٹھنک کر جواب دیا: "ہمیں شرم آتی ہے۔"

سعید نے نجمہ کو اپنی آغوش میں لے کر کہا: "میری جان! اپنے پرستار سے اب بھی شرم باقی ہے؟"

نجمہ:۔ یہ تم نے کیا کیا؟

سعید:۔ اپنا جسم صاف کر لو اور ایک بات تم کو اور بتاتا ہوں کہ ایسی حرکت کے بعد طرفین کو فوراً پیشاب کر لینا چاہیئے۔

نجمہ:۔ میں تو ٹھہر کر اٹھوں گی، مجھ میں دم نہیں ہے۔

سعید:۔ نہیں میری پیاری میں تم کو سہارا دے لوں گا۔ پیشاب فوراً کر لینا چاہیئے ورنہ تکلیف ہوتی ہے۔

سعید نے اپنی نئی نویلی دلہن کو گود میں اُٹھا کر صحن میں پیشاب کے لئے بٹھایا اور خود جلدی سے تھوڑا کاغذ جلا کر پانی گرم کرنے لگا۔

نجمہ نے طہارت کے لئے پانی طلب کیا۔ سعید نے کہا: "ذرا دیر ٹھہر جاؤ۔ ایسی حالت میں سرد پانی سے طہارت نہ کرنا چاہیئے۔"

نجمہ:۔ تم تو اپنی ڈاکٹری دکھاتے ہو اور مجھے کراہت معلوم ہو رہی ہے۔

سعید:۔ نہیں پیاری ڈاکٹری کی کوئی بات نہیں، حفظانِ صحت کا معمولی اصول ہے، تمھارے جسم نازنیں سے جو خون خارج ہوا ہے ممکن ہے کہ سرد پانی کی وجہ سے وہ رُک جائے اور تم کو زیادہ تکلیف ہو۔ ازدواجی زندگی کی پہلی شب محبت میں ہمیشہ گرم پانی استعمال کرنا چاہیئے۔

نجمہ:۔ تمھیں یہ سب باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟

سعید نے ہنسکر جواب دیا" شادی سے پیشتر میں نے اس قسم کی تمام باتیں معلوم کر لی تھیں۔ ہندوستانی لڑکیوں کے لئے شب عروسی کی تکلیفیں جو زیادہ بڑھ جاتی ہیں اس کا ایک راز یہ بھی ہے کہ وہ بالعموم طہارت کے لئے سرد پانی استعمال کرتی ہیں۔ حیدر آباد میں میرے ایک دوست کی دلہن پندرہ بیس روز تک محض اس وجہ سے بیمار رہی تھیں کہ سرد پانی کی وجہ سے خون فاسد جسم سے اچھی طرح خارج نہ ہو سکا حالانکہ وہ بہت تعلیم یافتہ ہیں اور پہلی شب میں اپنی دلہن کے ساتھ پوری احتیاط سے کام لیا تھا"

ذرا سی دیر میں پانی گرم ہو گیا۔ نجمہ طہارت سے فارغ ہوئی اور سعید اسے اپنی گود میں اٹھا کر مسہری تک لے آئے۔

شرم و حیا اب رخصت ہو چکی تھی۔ حجاب کا پردہ درمیان سے اٹھ گیا تھا۔ نجمہ سعید کا سہارا لے کر اٹھی اور کمرے کے اندر ہی حاجتی میں پیشاب کر کے پھر اپنی مسہری پر لیٹ گئی۔ میاں سعید بھی نجمہ کے پاس ہی اسی کے دوشالے میں دراز ہو گئے۔

تھوڑی دیر پیار و محبت کی گفتگو کے بعد دونوں سو گئے۔ اس طرح کہ نجمہ کے گلابی رخسار سعید کے لبوں سے ملے ہوئے تھے۔

شاید اسی منظر کو کسی شاعر نے "آپ بیتی" کے طور پر یوں بیان کیا ہے ؎

رکھ کے منہ سو گئے ہم آتشیں رخسار وں پر
دل کو تھا چین تو نیند آگئی انگاروں پر

اسی "خواب شیریں" کے عالم میں صبح صادق کے آثار نمودار ہوئے اور سعید و نجمہ موذن کی صدائے اللہ اکبر سے اپنے بستر استراحت پر بیدار ہو گئے کچھ دیر کے بعد گھر کی عورتوں کی آوازیں بھی کانوں میں آنے لگیں۔ اور سعید نجمہ سے اجازت لے کر باہر چلے گئے۔

ادھر بی مغلانی کمرے کے اندر داخل ہوئیں اور انھوں نے پہلے کی طرح آج کی شب کی روئداد معلوم کرنے کے لئے نجمہ سے سرگوشیاں شروع کر دیں۔

بی مغلانی :۔ کہو بیٹی طبیعت تو اچھی ہے، کوئی تکان یا دکھ درد تو نہیں؟

نجمہ :۔ جی نہیں، خدا کا فضل و کرم ہے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔

بی مغلانی :۔ بیٹی سچ سچ بتاؤ۔ تم نے تو پھر وہی کل کی سی باتیں شروع کر دیں۔

نجمہ :۔ میں سچ کہتی ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔

بی مغلانی :۔ اچھا، یہ تو بتاؤ سعید میاں نے تم سے "کچھ بات" بھی کی؟

نجمہ :۔ کیوں نہیں، آخر اتنی دیر کی تنہائی میں وہ خاموش کس طرح رہ سکتے تھے۔

بی مغلانی :۔ پھر تم وہی اینچ پینچ کی باتیں کرنے لگیں۔ بھئی میں تو اگلے وقتوں کی سیدھی سادی آدمی ہوں۔ مجھے پہیلیاں نہ بجھاؤ۔

نجمہ :۔ (مسکرا کر) جیسا آپ سوال کرتی ہیں۔ ویسا ہی میں جواب دیتی ہوں اس میں پہیلیاں بجھانے کی کیا بات ہے۔

بی مغلانی :۔ بس مجھے تو تم یہ بتا دو کہ سعید میاں تم سے اور سعید میاں سے تم "راضی، خوشی" ہو۔

نجمہ :۔ ہاں کیوں نہیں۔ وہ میرے شوہر ہیں اور میں اُن کی بیوی، راضی خوشی ہونا ہی چاہیئے اور خدا کا شکر ہے کہ میں ایک اچھے اور شریف شوہر کی بیوی ہوں۔ وہ مجھ سے صحیح معنوں میں محبّت کرتے ہیں اور میں ان کی محبّت کی قدر کرتی ہوں۔

بی مغلانی :۔ بیٹی! مجھے تمھاری سعادت مندی سے یہی اُمید ہے۔ خُدا نے چاہا تو تم ہمیشہ راج رجو گی۔

نجمہ :۔ میں تو کسی لائق نہیں۔ سب بزرگوں ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ میں جانتی

ہوں کہ بڑے بوڑھے میرے خیر خواہ ہیں۔ وہ ہمیشہ مجھے ایسی ہی بات بتائیں گے جو میری زندگی میں مفید و کارآمد ثابت ہو۔"

بی مغلانی :۔ اے تم جیو! بوڑھ سہاگن ہو۔ اس زمانہ کی لڑکیاں تو بزرگوں کو پاگل سمجھتی ہیں۔ حالانکہ انھیں یہ خبر نہیں کہ جتنی ان کی عمر نہیں اس سے بہت زیادہ تو ان کے بزرگوں کو زندگی کا تجربہ ہے۔

نجمہ :۔ سچ ہے۔

بی مغلانی :۔ دیکھو بھئی۔ اب تمھارے بچپن کا زمانہ ختم ہو گیا۔ تمھاری بے فکریوں کے دن گئے۔ الڑھ پن کا اب کام نہیں۔ تم دو دن پہلے تک بچہ تھیں۔ لیکن اب میری آنکھوں میں خاک، ماشاءاللہ تم پوری عورت ہو، اور عورت کی ذمہ داریاں اب تمھارے اوپر آتی ہیں۔ جس طرح اس گھر میں تم ایک شریف بیٹی رہیں۔ اسی طرح تمھارا فرض ہے کہ اب اپنی سسرال میں شریف بیوی شریف بہو اور وقت آنے پر شریف ماں ثابت ہو۔

ماشاءاللہ خود پڑھی لکھی ہو زیادہ سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ تمھارا شوہر تمھارے سر کا تاج ہے۔ اس کی محبت اور اطاعت تم پر فرض ہے۔ بیٹی! اس زمانہ کی لڑکیاں اپنے شوہروں کو جوتی کے نیچے رکھنا چاہتی ہیں لیکن یہ بُری بات ہے۔ تم یہ خیال کبھی نہ کرنا۔ میری یہ بات گرہ میں باندھ لو کہ تم کو عزت صرف اسی وقت حاصل ہو گی جب تم اپنے شوہر کی عزت کرو گی۔ جس قدر تم اپنے شوہر کی عزت کا خیال کرو گی۔ اسی قدر خداوند کریم تم کو عزت دے گا۔ تم گھر میں اپنے ہی والدین کی مثال دیکھ لو۔ بیگم تمھارے والد کی کس قدر عزت کرتی ہیں۔ خدا کے فضل سے گھر میں درجنوں خادمائیں ہیں لیکن بائیس برس تو مجھ ہی کو دیکھتے گزر گئے۔ ہمیشہ اپنے شوہر کو خود ہی کھانا کھلاتی ہیں۔ کبھی یہ نہ ہوا کہ کسی خادمہ سے

کہتیں کہ نواب صاحب کو کھانا دے آ۔ یا پانی پلادے۔ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ آج شوکت آرا بیگم اس گھر کی اصلی مالک بنی ہوئی ہیں۔ تمہارے والد بھی ان کی خلاف مرضی کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اے کیا تمھیں یاد نہیں چار پانچ برس ہوئے یہ نگوڑا دیوان کس طرح پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑا تھا۔ نواب صاحب تک کو مجھ سے بدظن کر دیا تھا۔ لیکن محض بیگم کے دم سے میں اس محلسرا میں رہی۔ نہ نواب صاحب کی چلی اور نہ وہ خدائی خوار دیوان میرا کچھ بگاڑ سکا۔

شوکت آرا بیگم کو آخر یہ بات کیوں حاصل ہوئی ہے؟ محض اس لئے کہ انھوں نے اطاعت و محبت سے اپنے شوہر کا دل مٹھی میں لے لیا ہے۔

بیٹی نجمہ! اپنی زندگی کے اس نئے دور میں سب سے زیادہ اسی بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔

نجمہ:۔ خدا نے چاہا تو میں تمام عمر آپ کی اس تعلیم پر عمل کروں گی۔

بی مغلانی:۔ اللہ تمھیں خوش رکھے۔ میں دو تین ضروری باتیں تم کو اور سمجھانا چاہتی ہوں۔ بیٹی! میں نے دھوپ میں اپنا چونڈا سفید نہیں کیا ہے بہت تجربہ کے بعد یہ باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ غور سے سُنو!

نجمہ:۔ کہیئے۔

بی مغلانی:۔ بیٹی! تم مرد کے مقابلہ کا خیال کبھی اپنے دل میں نہ لانا۔ یہ میں جانتی ہوں کہ خدا نے عورت اور مرد کا درجہ برابر بنایا ہے۔ لیکن یہ وقت کچھ ایسا نازک ہے کہ برابری کا خیال دل سے نکال ہی دینا چاہیئے۔ اس زمانے کی لڑکیاں جو کچھ نہ کریں کم ہے۔ آسمان میں تھگلی لگاتی ہیں۔ لیکن بیٹی! ہم نے تو سدا اپنے بوڑھوں سے یہی سُنا ہے کہ مرد افسر ہے اور عورت اس کی تابعدار۔ اور بیٹی! اسی تعلیم سے ہم لوگوں کا بیڑا اچھی پار ہوا۔ عورتیں اپنے شوہروں کی تابعداری کیا

کرتی تھیں۔ مرد خود اُن کے تابعدار ہو جاتے تھے۔ ایک آج کل کا زمانہ ہے۔ بیوی سمجھتی ہے کہ میں "جنٹلمین" ہوں۔ میاں کی اطاعت کیوں کروں۔ مرد سمجھتا ہے کہ میں گھر کا مالک ہوں بیوی سے کیوں دبوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں دیکھو میاں بیوی میں جوتی پیزار۔ بوڑھوں کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں۔ جو عورت مرد کو اپنا تابعدار بنانا چاہتی ہے اس کو لازم ہے کہ وہ خود اپنے شوہر کی تابعدار بن جائے

بیٹی! کوئی بیس بائیس برس کی بات ہے، میں تمھارے یہاں نہیں آئی تھی مولوی گنج میں رہتی تھی۔ میرے ہمسایہ میں ایک بیوی کی اپنے میاں سے نہ بنتی تھی، جب دیکھو گھر میں غل غپاڑا، سارے محلہ کا دم ناک میں تھا۔ بیوی فال، تعویذ کی فکروں میں دیوانی تھی۔ نہ جانے مولوی، فقیروں کو کتنا روپیہ کھلا دیا۔ کوئی کہتا تھا کہ اس گھر میں شہید ہیں۔ وہ میاں بیوی کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ کوئی کہتا تھا کہ سوت کی روح عورت کو ستا رہی ہے۔ غرض کہ جتنے منھ اُتنی باتیں۔ ایک دن بی ہمسائی نے مجھ سے بھی رو رو کر اپنا دُکھ درد بیان کیا۔ میں نے کہا بیوی ایک بات میں بھی بتاؤں مانو گی؟

کہنے لگی "کیوں نہیں!"

میں نے کہا "تمھارے میاں خدا نے چاہا تو آٹھ دن میں موم کی ناک بن جائیں گے۔ میرے پاس کا کوری شریف کا ایک عمل ہے۔"

اس عورت کی باچھیں کھل گئیں۔ لگی خوشامدیں کرنے کہ میرے لئے وہ عمل پڑھو، میں نے اس سے کہا کہ اُس عمل میں کئی پابندیاں ہیں۔ پہلے تم اس بات کا وعدہ کرو کہ میں جو کچھ کہوں گی تم وہ کرو گی۔ بی ہمسائی نے ہزاروں قسمیں کھا کھا کر میری بات مان لی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ "تمھارے میاں اپنی نوکری سے کس وقت مکان واپس آتے ہیں۔" اس نے کہا "چھ بجے شام کو۔" میں نے کہا۔

"تم میرے پاس اُن کے آنے سے آدھ گھنٹہ پہلے آنا۔ اس وقت تم گھر جاکر سارا مکان صاف کرو۔ اور عمدہ مزیدار کھانا پکاؤ۔ میں بی آصفا باصفا کی نیاز دوں گی۔" وہ عورت خوش خوش اپنے گھر گئی۔

نجمہ:۔ "تو کیا نانی! تمھیں کوئی عمل معلوم ہے؟"

بی مغلانی:۔ اے بیٹی! میں عمل وِل کیا جانوں۔ میں نے محض اپنی عقل سے کام لیا۔ اب پوچھو یہ بیوی آصفا باصفا کون ہیں۔ تم نے داستانِ امیر حمزہ میں پڑھا ہوگا کہ خواجہ خضر کی ماں کا نام بیوی آصفا باصفا ہے ـــ خیر اس نے نیاز کے خیال سے سارا گھر صاف کیا اور عمدہ عمدہ کھانے پکائے۔ جب کھانے تیار ہو گئے تو وہ مجھے بلانے کے لئے آئی۔ مکان کا دروازہ ملا ہوا تھا۔ میں اس کے یہاں گئی ایک اچھے پیالے میں سالن نکالا۔ چند گھی چپڑی روٹیاں علیحدہ کیں۔ بالائی بازار سے منگائی۔ اور جھوٹ موٹ اس پر کچھ پڑھ کر دم کر دیا میں نے بی ہمسائی سے کہا کہ "جب تمھارے میاں اپنے کام پر سے واپس آئیں تو یہ کھانا اُن کو کھلا دینا۔" میں اپنے ساتھ دو تعویذ لکھ کر لیتی گئی تھی۔ تعویذ کیا تھے لکیریں کھینچ لی تھیں۔ ایک تعویذ پانی میں گھول کر میں نے صراحی میں ڈال دیا اور بی ہمسائی سے کہا کہ جب تمھارے شوہر پانی منگائیں تو اس صراحی سے اُن کو اپنے ہاتھ سے پانی پلانا۔ دوسرا تعویذ میں نے علیحدہ پانی میں گھول دیا کہ جب تمھارے میاں مکان واپس آئیں تو یہ پانی اُن کو منھ دھونے کے لئے دینا۔ اس کے بعد میں نے اپنی ہمسائی کی داہنی ہتھیلی اور دانتوں پر جھوٹ موٹ اُنگلی سے کچھ لکھ دیا اور کہا جب تمھارے میاں آئیں تو انھیں ہنس کر سلام کرنا۔ یہ سمجھا بجھا کر میں تو اپنے گھر چلی آئی۔ اِدھر اس کا میاں اپنی نوکری سے مکان واپس آیا۔ بیوی نے میاں کی صورت دیکھتے ہی ہنس کر سلام کیا، یا تو جب شوہر گھر کے اندر قدم

رکھتا تھا بیوی مُنھ پھلائے ایک کونے میں بیٹھی رہتی تھیں یا آج ہنس کر شوہر کی پیشوائی کے لئے اُٹھیں۔ شوہر کو بھی یہ دیکھ کر خوشی ہوئی اور وہ بھی اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ بیوی نے جلدی سے مُنھ دھونے کو پانی دیا۔ میاں اور بھی خوش ہوئے۔ شاید شادی کے بعد زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ بیوی نے میاں کو اُٹھکر پانی دیا ہو۔

میاں جب ہاتھ منھ دُھو چکے تو بیوی نے کھانے کی صلاح پوچھی، سینی میں کھانا سجا کر لائیں، عمدہ قورمہ، گھی چپڑی روٹیاں، بالائی، فیرینی، میاں کی باچھیں کِھل گئیں، یا تو روز کھانے کے لئے جھینکتے تھے۔ بیوی کا جی چاہا تو انھوں نے کچھ بھون بھلس کر رکھ دیا ورنہ میاں بازار سے کھائیں، یا آج مزیدار کھانا بیوی نے پکایا۔ بیوی سے کہا: "آؤ تم بھی کھالو!"

بیوی نے جواب دیا: "نہیں میں آپ کو کِھلا کر کھاؤں گی"

جب میاں کو پانی کی ضرورت ہوئی تو بیوی نے جھٹ پٹ اُسی صراحی سے پانی انڈیل کر حاضر کیا۔

میاں بہت خوش ہوئے اور اُن کی خوشی سے بیوی کو بھی خوشی ہوئی۔ دونوں کی تمام رات ہنستے بولتے گزری۔ نماز کے وقت بی ہمسائی میرے پاس خوشی خوشی دوڑی آئیں اور اپنا حال سُنایا۔ میں نے کہا: "تم فوراً جاکر ناشتہ کا انتظام کرو اور یہ نقش لکھے دیتی ہوں۔ جب پانی سے آٹا گوندھنا اس میں یہ نقش گھول دینا"

میں نے بی ہمسائی کو جھوٹ موٹ چند لکیریں کھینچکر دے دیں یا تو میاں روز بھوکے دفتر جاتے تھے یا آج ناشتہ تیار تھا۔ دوپہر کی چُھٹی میں جب وہ غریب کھانے کے لئے آیا تو لذیذ کھانا تیار تھا۔ شام کو بیوی نے پھر ہنس کر بات کی۔ کیوں کہ ان کے دانتوں پر میرا طلسم اُنگلی سے لکھا ہوا تھا۔ مُنھ دھونے کو پانی دیا اور ہنس ہنس

کر کھانا کھلایا۔ چند ہی روز اس طرح گزرے تھے کہ میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار ہو گئے۔ بیوی کو خوش دیکھ کر میاں نہایوں نہال تھا اور میاں کو مہربان دیکھ کر بیوی پھولی نہیں سماتی تھی۔

بی ہمسائی مجھے ایک منہ میں لاکھ لاکھ دعائیں دیتی تھیں میں ان سے کہتی تھی چالیس دن کا عمل ہے ابھی کئے جاؤ۔ سارے محلہ کو حیرت تھی کہ آخر یہ کیا کایا پلیٹ ہو گئی۔ دونوں کے جھگڑے بند ہو گئے۔ میاں ہر وقت خوش، بیوی ہر وقت خوش، یا تو میاں سے روحانی صدموں اور فکروں کی وجہ سے کام بھی نہ ہوتا تھا یا اب وہ خوب کمانے لگے اور گھر میں خیر و برکت بھی ہوئی۔

چالیس دن تک روزانہ میاں کو منہ دھونے کے لئے پانی دینے اور کھانے کا انتظام کرنے کی بیوی کو عادت پڑ گئی۔ ادھر جب دونوں کی لڑائیاں بند ہوئیں تو دونوں میں ایک دوسرے کی محبت نے بھی گھر کیا۔ ناشتہ اور کھانے کا انتظام اب بیوی خود ہی کرنے لگی تھیں۔ میرے نقش کی ضرورت نہ تھی۔ ہاں اس کے بعد میں نے یہ ضرور کیا کہ اُن کے دانتوں پر روزانہ انگلی سے ایک فرضی طلسم لکھدیا کرتی تھی کہ میاں سے خوب ہنس ہنس کر باتیں کرنا جس قدر اُن کی نظر تمھارے دانتوں پر پڑے گی۔ اسی قدر وہ تم سے خوش ہوں گے۔

بیٹی نجمہ! میں اس واقعہ کے بعد اُس محلہ میں سال بھر تک رہی، میاں بیوی میں ایک دن بھی لڑائی نہ ہوئی۔ دونوں امن چین سے رہنے لگے۔ خیر و برکت بھی ہوئی۔ خدائے تعالیٰ نے گودی بھی بھری۔"

نجمہ نے ہنسکر کہا "نانی! آپ کا عمل تو خوب رہا۔"

بی مغلانی نے جواب دیا "ہاں بیٹی! اعتقاد کے لئے عمل کا نام لینا ضرور تھا۔"

نجمہ:۔ پھر تو سارے محلّے میں آپ کے عمل کی دھوم ہو گئی ہو گی۔

بی مغلانی :- اے بیٹی! کیا پوچھتی ہو۔ خدا کی ہزار عورتیں آئیں۔ میں صرف اُن کے دانتوں پر اپنا طلسمی نقش لکھ دیتی تھی اور کہہ دیتی تھی کہ میاں سے خوب ہنس ہنس کر باتیں کرنا۔ باقی باتیں زبان سے سمجھا دیتی تھی۔ اتنے تعویذ کہاں سے لکھنے بیٹھتی اب یہ عمل میں تم کو بھی بتاتی ہوں۔

بیٹی! میری یہ بات خوب یاد رکھنا، کہ عورت کی مسکراہٹ میں بڑی زبردست طاقت ہے۔ عورت بدمزاج سے بدمزاج خاوند کو صرف اپنی مسکراہٹ سے قبضہ میں کر سکتی ہے۔ جس وقت مرد باہر سے تھکا ماندہ مکان واپس آتا ہے۔ اس وقت عورت کی مسکراہٹ سے اُس کی تمام تکلیفیں دُور ہو جاتی ہیں۔ بیٹی نجمہ! مجھے تو اُن عورتوں کی عقل پر رونا آتا ہے جو حُب کے عمل کی تلاش میں اس قدر پریشان ہوتی ہیں اور اپنا پیسہ برباد کرتی ہیں۔ حالانکہ حُب کا سب سے بڑا عمل تو خود اُن کے پاس موجود ہے۔ یعنی خوش مزاجی اور مسکراہٹ۔

بیٹی نجمہ! دیکھو میں آج تم کو ایک بڑے گُر کی بات بتاتی ہوں۔ تم نے سُنا ہوگا کہ کوئی عورت نحس قدم ہوتی ہے اور کوئی بھاگوان۔ ان دونوں کی پہچان کا آسان طریقہ یہ ہے کہ تم جس عورت کو یہ دیکھو کہ ہر وقت مُنہ پھُلائے رہتی ہے۔ غصّہ ہمیشہ ناک پر رہتا ہے۔ اپنے ہی تاؤ پیچ میں خود جل جل کر مرتی ہے اُسے اپنی بُرائی نظر نہیں آتی۔ دوسروں کی اچھی بات میں عیب نکالتی ہے۔ ہر وقت خدا کی ناشکری کرتی ہے۔ راحت میں بھی اُسے تکلیف نظر آتی ہے۔ سمجھ لو کہ یہ بدنصیب اور پھُن پیری ہے نہ اس کو اپنی زندگی میں چین ملے گا، نہ شوہر کو چین لینے دیگی۔ میکے میں رہے گی وہاں دوبھر ہوگی۔ شوہر کے گھر جائے گی وہاں عذاب بنے گی۔ ایسی عورت کے پیرے سے نہ روٹی ہے نہ رزق۔

جو عورت ہمیشہ خوش و خرّم رہے، تکلیف کو بھی اپنے لئے راحت سمجھے،

اپنے شوہر کی بدگوئی نہ کرے، ہر کس و ناکس سے خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے۔ وہ سب سے محبت کرے اور کنبے والے اس سے محبت کریں، ایسی عورت بھاگوان اور خوش نصیب ہے۔ جس گھر جائے گی راج رچے گی۔

جس عورت کو خدا منحوس بنا دے اُسے سب ہی بُرا کہتے ہیں اور بیٹی نجمہ! میرا تجربہ تو یہ ہے کہ جس عورت کو اس کا شوہر بُرا کہہ دے اُسے دنیا میں کوئی اچھا نہیں کہتا۔ لوگ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا کہتے ہیں۔ میرے خیال میں عورت کے متعلق شوہر کی زبان نقارۂ خدا ہے۔

جب تمھیں معلوم کرنا ہو کہ یہ عورت اچھی ہے یا بُری، کسی طریقے سے یہ معلوم کرلو کہ اُس کا شوہر اُسے کیسا سمجھتا ہے، وہ اپنی بیوی کو اچھی سمجھتا ہے تو وہ عورت یقیناً اچھی ہے۔ چاہے سارا زمانہ اس کی بُرائی کرے۔ لیکن اگر اُس کا شوہر اُسے بُری سمجھتا ہے تو پھر وہ بُری۔ بُری۔ ہزار مرتبہ بُری۔ لاکھ اُس کے باوا بھیا اپنی ناک رکھنے کے لئے اس کی جھوٹی تعریفیں کریں۔

نجمہ پیاری! ہمیشہ اپنے شوہر کے دل میں گھر کرنا۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ چاہے تمھیں دنیا بُرا کہے لیکن شوہر بُرا نہ کہے۔ اگر تمھارا شوہر تمھیں بُرا نہ کہے گا تو یقین مانو کہ تمھیں دنیا میں کوئی بُرا نہیں کہہ سکتا۔

شوہر کی خوشنودی مزاج مقدّم ہے۔ غصّہ ہر فرد بشر کو آتا ہے، اس زمانے میں غصّے سے کون خالی ہے، لیکن جہاں تک ممکن ہو غصّہ کو روکنا چاہیئے۔ غصّہ وہ آگ ہے جو میاں بیوی کی محبّت کو جلا کر خاک کر دیتا ہے۔ اگر غصّہ کسی ایسی ہی بات پہ کبھی آجائے تو کچھ زیادہ مضائقہ نہیں، اگر عورت دس مرتبہ اپنے شوہر کا غصّہ برداشت کرے گی تو ایک مرتبہ شوہر بھی اپنی بیوی کا جائز غصّہ برداشت کرلے گا۔ لیکن بیٹی نجمہ! میں ان عورتوں کو کیا کہوں جو ہر وقت غصّہ ہی میں دیوانی رہتی ہیں۔ جب دیکھو غصّہ آرہا ہے،

بات بات پر غصّہ ہے۔ شوہر پر غصّہ، سسرال والوں پر غصّہ، ملازموں پر غصّہ، بچوں پر غصّہ، میکے والوں پر غصّہ اور کوئی نہیں تو اپنی جان ہی پر غصّہ۔ بیٹی! یہ غصّہ نہیں بلکہ جنون ہے، ایسی عورت کو اپنے شوہر کے گھر رہنے کے بجائے آگرہ کے پاگل خانے میں رہنا چاہیئے۔ یہ غصّہ اس کا بھی کھوج کھوتا ہے اور شوہر کی زندگی بھی برباد کرتا ہے۔ بیٹی! تم میری یہ بات مانو شوہر سے کبھی جھلّا کر بات نہ کرنا۔ دُنیا میں عزّت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ جس عورت کو اپنی عزّت کا خیال نہیں اس سے زیادہ بُرا دنیا میں کوئی نہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گی کہ اس کا ناپاک وجود عورتوں کے لئے ذلّت ہے، وہ عورت نہیں، عورت کے بھیس میں کوئی چُڑیل ہے، اگر تم ہر وقت اپنے شوہر سے جھلّا کر بات کرو گی تو اُس کا لحاظ جائے گا۔ وہ بھی تم سے جھلّا کر بات کہے گا اس کے بعد تُو تڑاق کی نوبت آئے گی اور اگر پھر بھی بیوقوف عورت نہ سمجھی تو بدزبانیوں کا درجہ آجائے گا اور اس کے بعد جوتی پیزار کی نوبت آتی ہے۔ بیٹی! تم نے سُنا نہیں ؎

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم - تم سے تُو ہونے لگی

نجمہ بیگم! اللہ رکھے تم سمجھدار ہو، اس بات کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ تمھاری عزّت نہ جانے پائے اور تمھارا شوہر کبھی تمھیں آدھی بات بھی نہ کہے، آج اگر اس نے آدھی بات کہی تو اُس کا لحاظ جائے گا اور کل وہ تمھیں ایک بات کہے گا۔ اگر تم اپنی عزّت کا خیال رکھو گی اور ہمیشہ اس فکر میں رہو گی کہ تمھارے شوہر کو کبھی تمھیں کڑے تیوروں سے دیکھنے کی بھی ضرورت نہ ہو تو بیٹی! میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ تمھاری یہ نئی زندگی بڑے آرام سے گزرے گی۔

"تھو تھو جوتے کھائیں تماشا گھس کر دیکھیں" وہ عورتیں بے غیرت اور بے شرم ہوتی ہیں اُن کا تو چُلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جانا اچھا ہے نامرادیں شوہر کے گھر جا کر اپنے باپ دادا اپنواتی ہیں اور پھر شرم نہیں آتی۔ وہی حرکتیں جو شوہر کے خلافِ مزاج

ہوں، کرتی ہیں۔ میرا بس چلے تو ایسی عورتوں کو کچھ کھلا کر زمین کا پیوند کر دوں۔ میں پوچھتی ہوں کہ شوہر کو ناراض ہونے کا موقع ہی کیوں دیا جائے۔ اگر شوہر بالکل دیوانہ ہے، فاترالعقل ہے گھر میں گھستے ہی بلا کسی وجہ کے لڑائی جھگڑا شروع کرتا ہے تو بات دوسری ہے لیکن اگر شوہر زنجیروں میں باندھنے کے لائق بالکل پاگل نہیں ہے تو جب تک کوئی بات اس کے خلافِ مزاج نہ ہو اُسے غصہ نہیں آئے گا۔ پھر عورت ایسی بات کرے ہی کیوں جو شوہر کے خلافِ مزاج ہو۔ شادی کے بعد چند روز تو میاں بیوی کو ایک دوسرے کا مزاج پہچاننے میں ضرور دشواری ہوتی ہے لیکن جب مزاج معلوم ہو جائے تو پھر شوہر کی مرضی کے مطابق کام کرنا کیا دشوار ہے، میں نے ایسی بے وقوف عورتیں بھی دیکھی ہیں جو برسوں شوہر کے ساتھ رہتی ہیں، اس کا مزاج نہیں پہچانتیں، ہمیشہ جو بات کریں گی شوہر کے خلافِ مزاج، شوہر بار بار سمجھاتا ہے، منع کرتا ہے لیکن بے حیا بیوی کے کان پہ جوں بھی نہیں رینگتی ایسی ہی عورتیں سسرال پہنچ کر اپنے بے گناہ ماں باپ کو ذلیل کراتی ہیں بیٹی! اگر خدا بیٹی دے تو اُس کو سمجھ اچھی دے۔ ورنہ اُس کا تو پیدا ہوتے ہی مر جانا اچھا ہے۔ نہ جیے گی نہ ماں باپ کی ناک کٹائے گی اور نہ شوہر کی جان عذاب میں کرے گی۔ اس زمانے میں جسے سنو یہی راگ الاپتا ہے کہ مرد اور عورت کے حقوق برابر ہیں۔ ہاں میں بھی کہتی ہوں کہ حق برابر ہیں لیکن گھر کا بنانا یا بگاڑنا مرد کے اختیار میں نہیں بلکہ بیوی کے اختیار میں ہے۔ ہزار میں شاید ایک ہی آدھ مرد ایسے قابل نکلیں گے جو اپنی بدمزاج اور جاہل اور پھوہڑ عورتوں کو درست کر سکیں۔ لیکن ہزار میں ہزار عورتیں اتنی قوت رکھتی ہیں کہ وہ اپنے بدمزاج سے بدمزاج مرد کو موم کی ناک بنا دیں، ہاں ضرورت ہے کہ سمجھداری کے ساتھ اپنی قوت سے کام بھی لیں، خدا بخشے تمھارے مرزا نانا کو، اُن کی روح نہ شرمائے

بڑے تیہے باز تھے غصّہ ہر وقت ناک پر رہتا تھا۔ بات بات پر مارنے مرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ وہی مثل تھی کہ اگر ناک پر مکھی بیٹھے تو ناک اُڑا دیں۔ شاہی زمانے کے بانکوں میں سے تھے۔ سارے شہر میں ان کے بانکپن کے جھنڈے گڑے تھے۔ جب میری شادی ہوئی تو لوگ میرے باپ سے کہتے تھے کہ تم نے انسان کے ساتھ نہیں بلکہ جن کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کی ہے اور سارا شہر کہتا تھا، خدا جانے جھوٹ یا سچ کہ انھوں نے اپنی پہلی بیوی کی پہلے تو ناک کاٹی اور اس کے چند ہی روز بعد جان سے مار ڈالا۔

بیٹی! سچ کہتی ہوں شادی کے پندرہ بیس دن تک میری جان سیاست پر رہی میں تو دُلہن بنی بیٹھی ہوں اور اُن کو غصّہ آ رہا ہے — "ہوں اس طرح کیوں بیٹھی ہیں؟ اس کروٹ کیوں لیٹیں؟ ہوں گھونگھٹ ایسا کیوں ہے؟ اس وقت کیوں سوئیں؟ اس وقت کیوں اُٹھیں؟" غرض کہ کچھ پوچھو نہیں ہر وقت خدا سے عزّت آبرو کی دُعا مانگتی تھی۔ چند روز تک میں بغور اُن کی عادتوں کو دیکھتی رہی اور اُن کا مزاج پہچاننے کی کوشش کی، خدا کا شکر ہے کہ ایک ہی مہینے کے اندر مجھے کامیابی ہوئی۔ اور پھر کبھی۔ مرتے مرگئے۔ انھیں یہ کہنے کی ضرورت نہ ہوئی کہ "ہوں — یہ بات ایسی کیوں ہے؟" سارے شہر میں ان کی بدمزاجی مشہور تھی، کوئی اٹھوارہ ایسا خالی نہیں جاتا تھا کہ دو چار سے فوجداری نہ ہوتی ہو۔ شاہی زمانہ تھا۔ بہادری کی باتوں کو بادشاہ بھی پسند کرتے تھے۔ اس آگ لگے زمانے میں تو بہادروں کا گھر جیل خانہ ہے۔ پہلے کون پوچھتا تھا گھر گھر بندوقیں تھیں تلواریں تھیں۔ نگوڑی پولیس تو فقط چوروں اور اُچکّوں کے لئے تھی۔ تمھارے نانا کو جب دیکھو خون میں رنگے چلے آ رہے ہیں لیکن قسم لے لو جو مجھے کبھی پھول کی چھڑی بھی چھوائی ہو۔ اﷲ بخشے، ان کی کروٹ کروٹ پھول ہوں کبھی کڑی نگاہ سے بھی نہ دیکھا ہمیشہ

بیگم بیگم کہتے منہ خشک ہوا۔ اُن کے یار دوست کہتے تھے کہ "مرزا جی سارے شہر کو تو بانکپن دکھاتے ہیں لیکن اپنی جورو سے ڈرتے ہیں۔"

بیٹی! آخر مجھے یہ بات کیوں حاصل ہوئی؟ محض اس لئے کہ میں نے ان کا مزاج پہچان لیا تھا۔ اگر تم اپنی نئی زندگی ہمیشہ آرام سے بسر کرنا چاہتی ہو تو سب سے پہلے اپنے شوہر کا مزاج پہچان لینا ـــــ!"

بی ملانی ابھی یہ باتیں کر ہی رہی تھیں کہ شوکت آرا بیگم نے آواز دی۔ "اے بوا! تم تو اپنی نجمہ سے باتوں میں لگی ہو، یہاں سارا انتظام کرنے کو پڑا ہے۔"

بی ملانی:۔ "بیگم ابھی آتی ہوں۔" کہکر ہنستی ہوئی نجمہ کے پاس سے اُٹھیں۔
